واصف علی واصف

شب راز



واصف علی واصف



شب راز

کاشف پبلی کیشنز
۳۰۱-۱اے، جوہر ٹاؤن ○ لاہور

ڈسٹری بیوٹرز: خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب : شبِ راز

مصنف : واصف علی واصفؔ

ناشر : کاشف پبلیکیشنز
۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن۔ لاہور

سال اشاعت : ۱۹۹۴ء

ترتیب و تزئین : ڈاکٹر مخدوم محمد حسین

کتابت : رئیس نذیر احمد

قیمت : ۱۷۵؍ روپے

عرضِ ناشر

واصف صاحبؒ کے کلام کا پہلا مجموعہ "شب چراغ" کے نام سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔ معرفت کی خوشبو میں رچا ہوا یہ کلام اہلِ دل حضرات میں بہت مقبول ہوا۔ اہلِ قلم حلقوں میں اس ذوق کی شاعری کا بڑا خیر مقدم کیا گیا۔ بعد میں کچھ اضافے کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا گیا۔ پھر بھی بہت سا کلام بچ رہا۔ مختلف روزناموں، ہفت روزوں اور ماہناموں میں چھپنے والا کلام انہوں نے اپنی طبعی حیات کے دوران ہی ریکارڈ میں لگوا دیا تھا۔ کچھ کیسٹوں میں اور قوالی کی صورت میں کلام موجود تھا، یہ کلام کئی مرتبہ واصف صاحبؒ کے سامنے بھی سنایا گیا۔ بقیہ کلام مخطوطہ یا باقاعدہ کتابت کی صورت میں ہے۔ اس سارے کو اکٹھا کر کے زیرِ نظر مجموعے "شبِ راز" کے نام سے انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ادارے کو قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا۔ اگر کسی صاحب کے پاس مزید کلام ہو تو استدعا ہے کہ وہ ادارے سے ضرور رابطہ کریں۔

فہرست

غزلیں

ہندی کلام

حمدِ باری تعالیٰ

اے [illegible] تیری ذات ورا ہے
ہیبت سے تیری کوہِ گراں کانپ رہا ہے

ہیں خالقِ کونین ترے کام نرالے!
بے رنگ ہے تو ایسا کہ ہر رنگ ترا ہے

اِنسان بیچارہ تجھے کیا جان سکے گا
اِدراک کی دنیا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہے

بے تاب فغاں، سوزِ نہاں، اشکِ رواں میں
جلوہ ترا جس رنگ میں ہے ہوش رُبا ہے

باقی ہے تو ایسا کہ بقا تیری ہے تخلیق
خود پیکرِ فانی میں کہیں جا کے چُھپا ہے

ہر سجدہ ہے اعلان کہ اعلیٰ ہے تو ربّ !
مسجودِ ملائک ہے جو سجدے میں گرا ہے

حادث تجھے کیا سمجھے کہ تو حُسنِ قدم ہے
حادث کی زباں سے ہی ترا نام سُنا ہے

ہیں تیرے ہی انداز غریبی و امیری
دیتا ہے کبھی اور کبھی مانگ رہا ہے

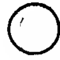
میں نے بھی تجھے دیکھا ہے کب یاد نہیں ہے
بھولا ہوں میں خود کو کہ تجھے یاد کیا ہے

تیرے ہی تصوّر میں ہوا گُم تو یہ سمجھا
جس نے تجھے پایا ہے وہ کھویا گیا ہے

یہ زیست شبِ غم ہے کہ مر مر کے کٹی ہے
لے لے کے ترا نام یہ غم دُور ہوا ہے

معلوم ہے اِتنا کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم !
جانا ہے کہ کیا جانے گا جو جان گیا ہے

ہر سمت ہے وَجہُ اللہ عیاں خالقِ احسن
خود آئینہ خود دیدۂ حیران ہوا ہے



اللہ ہی اللہ

الف سے اللہ
ب بسم اللہ

پ سے پایا
اللہ ہی اللہ

ت سے توبہ
استغفر اللہ

ٹ سے ٹوٹا
دشمن اللہ

ث سے ثروت
بخشے اللہ

ج سے جابر
قادر اللہ

چ سے چاہو
مت غیر اللہ

ح سے حامد
محمود اللہ

خ سے خیبر
توڑے اللہ

د دمادم
اللہ ہی اللہ

ذ سے ذاکر
ذکر ہے اللہ

ر سے روٹی
بھیجے اللہ

ز سے زاہد
عابد اللہ

س سے سچّا
محبوب اللہ

ش سے شامل
کام میں اللہ

ص سے صورت
نہ کوئی اللہ

ض سے ضامن
رزق کا اللہ

ط سے طاقت
والا اللہ

ظ سے ظالم
مارے اللہ

ع سے عالم
ہر شے اللہ

غ سے غافل
دور ہے اللہ

ف سے فاقہ
ٹالے اللہ

ق سے قائم
ہر دم اللہ

ک سے کتنا
اچھا اللہ

گ سے گاؤ
اللہ ہی اللہ

ل سے لشکر
فاتح اللہ

م سے محمدؐ
محبوب اللہ

ن سے نعمت
مالک اللہ

و سے واصف
بندہ اللہ

ہ سے ہر دم
حافظ اللہ

و سے واصف
بندہ اللہ

ہ سے ہردم
حافظ اللہ

ی سے یادر
یا ولی اللہ

اللہ

نہیں ہے لا الٰہ کوئی مگر اللہ، اِلا اللہ
نظر کا راز اِلا اللہ، محمدؐ ہیں رسول اللہ

عباد اللہ ڈرو حق سے بھلا دو وہم غیر اللہ
پھر دہر سُو مگر دیکھو جمالِ عین وجہ اللہ

تمہاری مشکلوں کا حل نہیں ہے فتنہ سازی میں
جھکو راہِ خدا میں ورنہ آیا ہے عتاب اللہ

یہ مستانوں کی دُنیا ہے بچو ان خرقہ پوشوں سے
لُٹا دو دولتِ دُنیا جہاں میں فی سبیل اللہ

ہے خیبر توڑنے والا مسلمانِ ازل کوئی
کہ بیٹا ہو شہیدِ ناز گو فخرِ ذبیح اللہ

جنونِ باخبر کیا ہے، خرد کی راہگذر کیا ہے
شہودِ جلوۂ جاناں، حدیثِ ماسوا اللہ!

نظر آتے ہیں مجھ کو قافلے لُٹتے ہوئے کوئی
بچے وہ لوگ جو سمجھے ہیں کیا تلک حدود اللہ

یہ بستی ہے فقیروں کی امیروں نہ وزیروں کی
کہ تقویٰ چاہیئے تاکہ عیاں ہو سرِ عنداللہ

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے پہلے بھی بتایا تھا
مگر تم ہو کہ سر پر جب پڑے کہتے ہو یا اللہ

بڑی باتیں ہیں کہنے کی مگر چپ ہو گیا واصفؔ
ہے اذنِ شاہوارِ کل وصی مرسل کہ ظل اللہ



اے شہِ اِنس و جاں

اے شہِ اِنس و جاں جمالِ جمیل
تجھ پہ تخلیقِ حُسن کی تکمیل!

رہبرِ انبیا و ختمِ رُسل
ذاکر و تذکرہ ربِّ جلیل

دمِ عیسیٰ کہ ہو یدِ بیضیٰ
والضحیٰ کی نہ مثل ہے نہ مثیل

نُورِ مطلق کا راز دار و امیں
افتخارِ جہاں ہے فخرِ خلیلؑ

سایۂ نورِ مصطفیٰؐ ناپید
نُور لایا ہے نُور ہی کی دلیل

بانیٔ دینِ حق نبیؐ کریمؐ
دینِ فطرت سلامتی کا کفیل

ہے حلیمہ کی بکریوں والا
بزمِ ہستی میں نُور کی قندیل

گودڑی پوش رازِ اِلا اللہ
تجھ پہ شیدا خُدا تُو ایسا شکیل

آپ کی بات آیتِ قرآں
آپ ہی کے لئے قولِ ثقیل

آپ ہی کی زباں ہے حق گویا
آپ پر ہے کلام کی تنزیل

نالۂ نیم شب کا سرچشمہ
یا نبیؐ جاگیے گا اِلّا قلیل

تُو شفیق اور رحمتِ عالم!
مُحسنِ انس و جاں حسین وجمیل

عقل و دانش غلام ہیں تیرے
فہم و اِدراک سے ورا ہے عقیل

مدعا ، منتہیٰ ، مرادِ حیات
جادۂ شوق میں امام سبیل!

آستانِ نبیؐ ہے فخرِ زمیں
آسماں سرنگوں پئے تقبیل

چشم مازاغ رُخ کلام اللہ
اور واللیل ہی ہے زلفِ طویل

ہے صنم گر بھی محوِ رنگِ صنم
یا صنم یا صمد ہے بالتمثیل

مظہرِ کبریا ہے ذاتِ نبیؐ
بزمِ امکاں ہے اخیر و قبیل

خواجۂ دو جہاں کی کیا ہو ثنا!
خود ثنا خواں ہوا ہے ربِ جلیل

کیا بیاں ہو سکے گی شانِ نبیؐ
بعدِ حق کے تُو ئی شکیل و جزیل

اِک نگاہِ کرم نبیٔ کریمؐ
مجھ پہ کیجیے بحقِ اسمٰعیلؑ

آپ کے در پر سر ہے ہر دم
معصیت معرفت میں ہو تبدیل

یا محمدؐ سدا ہو وردِ زباں
پائے ساقی پہ ہو میری تکمیل

رازِ شاہِ اُمم ہیں شاہِ نجفؑ
قصّہ کوتاہ ہے بات بالتفصیل

جب توجہ میں آگیا واصفؔ
تو جنوں سے خرد کی ہے تشکیل



السّلام

السّلام اے سبز گنبد کے مکیں
السّلام اے رحمۃ اللعالمینؐ

السّلام اے راحتِ قلبِ حزیں
السّلام اے رفعتِ عرشِ بریں

السّلام اے حامد و محمودِ حق
السّلام اے نُورِ نُورِ اوّلیں

السّلام اے بے مثیل و بیمثال!
السّلام اے فخرِ افلاک و زمیں!

السّلام اے خواجۂ کون و مکاں
السّلام اے شاہِ دُنیا شاہِ دیں

السّلام اے صادق و سعد و سعید
السّلام اے کہ امام السالکیں

السّلام اے غایتِ کن السّلام
السّلام اے مظہرِ عین الیقیں

السّلام اے ہاشمی "اُمّی" لقب
السّلام اے رُوحِ قرآں بیں

السّلام اے کہ جمالِ کائنات !
السّلام اے زاغ چشمِ سرمگیں

السّلام اے رافعِ ذکرِ الٰہ
السّلام اے ذکرِ ربّ العالمیں

السّلام اے عبدہٗ خیر البشر
نوعِ انساں را پیغامِ آخریں

سیّد و سرور محمّدؐ مصطفٰے
کعبۂ کعبہ تیرا روئے حسیں !

السّلام اے رہبرِ اُمّت سلام
تیرے سنگِ در پہ واصفؔ کی جبیں

صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

تصویرِ حسنِ بے نشاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
لاریب شاہِ خسرواں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

اے چہرہ زیبائے تو شمس الضحیٰ بدرالدّجیٰ
ارحم لنا اے جانِ جاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

مازاغ چشمِ سرمگیں، واللّیل زلفِ عنبریں
یٰسین دندانِ دہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

محمود سے حامد ہوا، احمد محمّدؐ مصطفٰے
حٰم کا ہے رازداں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ !

اے قبلہ گاہِ عاشقیں اے رحمۃ اللعالمیں
اے وجہِ تخلیقِ جہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

دربان ہے روح امیں، مسند تیری عرش بریں
گویا مکینِ لامکاں، صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

اے مظہرِ نورِ خدا، صدر العلیٰ، کہف الوریٰ
اے خواجۂ کون و مکاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

تُو صاحبِ لولاک ہے تُو فخرِ ہفت افلاک ہے
قرآں ہے قرآں خواں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

اے شافعِ روزِ جزا، اے رافعِ ذکرِ خدا
محبوبِ ربِّ دو جہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

اے خاتمِ پیغمبری اے کہ ادائے دلبری
اے کہ ادائے دلبراں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

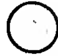
قوسین ابروئے جبیں، کونین بھی زیرِ نگیں
اسریٰ کی شب گزری کہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

تیری زباں پر لاالٰہ مولا کہے صلِّ علیٰ
گا ہے یہاں گا ہے وہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

اے سیّدِ عرب و عجم اے محترم نظرِ کرم
تیرے سوا جائیں کہاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

درِ یتیم و تاجور، اے صاحبِ شق القمر
"اُمّی" مگر فخرِ بیاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

گویا سکوتِ دو جہاں تیرا گدا محوِ فغاں
واصف ہوا ہے نیم جاں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ



نعت

انوار برستے رہتے ہیں اُس پاک نگر کی راہوں میں
اِک کیف کا عالم ہوتا ہے طیبہ کی مست ہواؤں میں

اِس نامِ محمدؐ کے صدقے بگڑی ہوئی قسمت بنتی ہے
اِس کو بھی پناہ مل جاتی ہے جو ڈوب گیا ہو گناہوں میں

گیسوئے محمدؐ کی خوشبو اللہ اللہ کیا خوشبو ہے !
احساس معطر ہوتا ہے واللیل کی مہکی چھاؤں میں !

وہ بانیٔ دینِ مبین بھی ہے حٰمٓ بھی ہے یٰسین بھی ہے
مسکینوں میں مسکین بھی ہے سلطانِ زمانہ شاہوں میں

سب جلوے ہیں اِس صورت کے، وہ صورت ہی وجہُ اللہ ہے
اللہ نظر آجاتا ہے وہ صورت جب ہو نگاہوں میں !

اللہ کی رحمت کے جلوے اِس وقت میسر ہوتے ہیں
سجدے میں ہوں جب آنکھیں پُرنم اور نامِ محمدؐ آہوں میں

اُس ناطقِ قرآں کی مدحت انسان کے بس کی بات نہیں
ممدوحِ خدا ہیں وہ واصف صد شکر کہ ہم ہیں گداؤں میں



نعتﷺ

وہی ہے باعثِ تخلیقِ ہستیِ عالم
وہی ہے مظہرِ انوار، نازشِ آدم!

صداقتوں کا پیمبر، حقیقتوں کا امیں
لطافتوں کا مرقع، کمالِ حُسنِ شِیَم

خدا سے مانگے وہ بخشش ہر آدمی کے لئے
بشر سے مانگے وہ تسبیحِ خالقِ اعظم

وہ نفرتوں کی خلیجوں کو پاٹنے والا
وہ جس کے خُلق سے دشمن بھی بن گئے ہمدم

وہی ابد کے سفر میں ہے آسرا سب کا
ازل سے جس کی ہے سب پے نوازشِ پیہم

وہ راہبر بھی ہے، مگر
کڑے سفر کی کڑی دھوپ میں وہ

اسی پہ بھیج درود و سلام اے واصفؔ
اُسی کے فیض سے قائم ہے عاصیوں کا بھرم

یارسُول اللہؐ

کرم کی اِک نظر ہو جانِ عالم یارسول اللہؐ
تری اُمّت پہ ہے افتادِ پیہم یارسول اللہؐ

بنایا تھا تمھارے نام سے جو آشیاں ہم نے
گری ہے اِس پہ ہو کے برق برہم یارسول اللہؐ

بڑے دم خم سے آزادی کی صبحِ نو کو دیکھا تھا
ستم ہے دم رہا اِس میں نہ اب خم یارسُول اللہؐ

غمِ دُنیا، غمِ عقبیٰ، غمِ ارضِ وطن ہم کو
جو ہم سے کٹ گئے اِن کا بھی ہے غم یارسول اللہؐ

ہمارے سامنے بکھرے ہیں دانے ایک تسبیح کے
بکھرتا ہے کوئی شیرازہ یوں کم یا رسول اللہؐ

کرم ہو ارضِ پاکستان پہ یا رحمتِ عالم!
سلامی دے رہا ہے سبز پرچم یارسُول اللہؐ

سفینہ آپ کی اُمّت کا گردابِ بلا میں ہے
نہ مونس ہے نہ کوئی اور ہمدم یارسول اللہؐ

مبارک ہو وطن والوں کو میلاد النبیؐ کا دن
صلوٰۃٌ دائمٌ بارک وسلّم یا رسول اللہؐ

گدائے حُسن تو من کمتریں واصف علی واصفؔ
کرم کردی کہ بندہ بے قرارم یا رسول اللہؐ



صلِّ علیٰ محمدؐ

جنہیں تیرا نقشِ قدم ملا، وہ غمِ جہاں سے نکل گئے
یہ میرے حضورؐ کا فیض ہے، کہ بھٹک کے ہم جو سنبھل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا صلِّ علیٰ محمدؐ

ہو تیرے کرم کا جواب کیا، تیری رحمتوں کا حساب کیا
تیرےؐ نامِ نامی سے غم کدوں میں چراغ خوشیوں کے جل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا صلِّ علیٰ محمدؐ

تو ہی کائنات کا راز ہے، تیراؐ عشق میری نماز ہے
تیرے دَر کے سجدے میرے نبیؐ میری زندگی کو بدل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا صلِّ علیٰ محمدؐ

توؐ مصوّری کا کمال ہے توؐ خدا کا حُسنِ خیال ہے
جنہیں تیراؐ جلوہ عطا ہوا، وہ تیرے جمال میں ڈھل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا، صلِّ علیٰ محمدؐ

تھے ہزار صدیوں کے فاصلے جو رسولِ پاکؐ نے طے کئے
وہ تو ایک رات کی بات تھی، کہ زمانے جس سے بدل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا صلِّ علیٰ محمدؐ

یہ حلیمہؓ تجھ کو خبر نہ تھی، کہ وہی زمانے کے تھے نبیؐ
وہ خدا کے کتنے قریب تھے، تیری گود میں جو بہل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا، صلِّ علیٰ محمدؐ

تیرا بندہ واصفِ بے خبر، تیرا راز سمجھا ہے اس قدر
تجھے جب پکارا بہ چشمِ تر، کئی مرحلے تھے جو ٹل گئے
پڑھو صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ
پڑھو صلِّ علیٰ شفیعنا، صلِّ علیٰ محمدؐ

نعتؐ

خاور کہوں کہ بدرِ منور کہوں تجھے!
محشر کہوں کہ داورِ محشر کہوں تجھے!

اے مظہرِ جمالِ خدا سیّد البشرؐ
حسنِ مثال کا میں محور کہوں تجھے

سلطانِ انبیا ہے تری ذاتِ باصفا
اوّل کہوں یا اوسط و آخر کہوں تجھے

تجھ پر ہوئی ہے ختم نبوّت کی داستاں
خاتم پیمبروں کا پیمبر کہوں تجھے

تھا سینۂ صدف میں خدا کنزِ مخفیاً
تخلیقِ کائنات کا گوہر کہوں تجھے

بے مثل و بے مثال ہے تو دلربائے حق
رعنائی خیال کا پیکر کہوں تجھے

آئینہ جمالِ ازل ذاتِ مصطفٰےؐ
تو عینِ ذاتِ حق ہے یہ کیونکر کہوں تجھے

موجِ خرامِ ناز ہے تو ساحلِ مُراد
دریائے معرفت کا شناور کہوں تجھے

قندیلِ بزمِ علم و عمل آپؐ کا وجُود
ہر آگہی کا مرکز و مصدر کہوں تجھے

بندہ نواز تجھ کو کہوں یا کہوں بشر
تقویمِ حسن و عشق کا مظہر کہوں تجھے

دُرِ یتیم و اُمّی لقب صاحب الجمالؐ
میں تاجور کہوں کہ سخنور کہوں تجھے

ہے ذاتِ کبریا بھی ثناخوانِ مصطفٰےؐ
منزل کہوں کہ حق کا مسافر کہوں تجھے

ہر ذرّے کی زباں سے آتی ہے یہ صدا
کوئی نہیں کہ جس کا برابر کہوں تجھے

واصفؔ کی کیا مجال کہے اِس زبان سے
اللہ کی زبان ہو دلبر کہوں تجھے!

دعا

شبِ فرقت کٹے کیسے سحر ہو
کرم کی یا محمدؐ اِک نظر ہو

سکوتِ دو جہاں ہے اور میں ہوں
فقط میری فغاں ہے اور میں ہوں

رسُول اللہؐ سنو فریاد میری !
ہو کشتِ آرزو آباد میری

مصیبت ہے بڑا مجبُور ہوں میں
ستم ہے تیرے در سے دُور ہوں میں

ازل سے آرزُو میری یہی ہے
تمھاری یاد میری بندگی ہے

جبینِ شوق تجھ کو ڈھونڈتی ہے
نظر اپنی تیرے در پہ لگی ہے

مُرادوں سے مرے کاسے کو بھر دے
تو اپنے فیض کو اب عام کر دے

غریبوں کو عطا کر کج کلاہی
فقیروں کو ملے اب چترِ شاہی

مدینہ

کرتے ہیں کرم جس پہ بھی سرکارؐ مدینہ
ہوتا ہے نصیب اس کو ہی دیدارِ مدینہ

پڑھتا ہے درود آپؐ کی جو ذات پہ ہر دم
ملتا ہے اسے سایۂ دیوارِ مدینہ!

اس شخص کو دُنیا کا کوئی غم نہیں ہوتا
وہ شخص جو رہتا ہے طلب گارِ مدینہ

جس دل میں بسی رہتی ہو ولیوں کی محبّت
رہتے ہیں اُسی دل میں ہی سرکارؐ مدینہ

داتاؒ کی گلی کافی غریبوں کے لئے ہے!
داتاؒ کے بھی روضے پہ ہیں انوارِ مدینہ

معراج کی رات

چارسُو نُور کی برسات ہوئی آج کی رات
احد اور احمدؐ کی ملاقات ہوئی آج کی رات

گفتگو ذات سے بالذات ہوئی آج کی رات
مختصر یہ کہ بڑی بات ہوئی آج کی رات

راکبِ وقت نے کھینچی ہے زمامِ گردش
حیرتِ ارض وسماوات ہوئی آج کی رات

یُوں تو الطاف تھے سرکارؐ پہ روزِ کُن سے
وا مگر چشمِ عنایات ہوئی آج کی رات

رفعتِ عبد کو جبرئیلِ امیںؑ نے دیکھا
کیوں نہ ہو، رافعِ درجات ہوئی آج کی رات

پردۂ میم کے اندر ہے مقامِ محمُود
کاشفِ سرِّ حجابات ہوئی آج کی رات

قابِ قوسین سے دوگام وراجا نکلا
عقل والوں کو بڑی مات ہوئی آج کی رات

جملہ ایّام سے تابندہ ہے میلاد کا دن !
جملہ راتوں سے حسین رات ہوئی آج کی رات

آج کی رات ہے عبادات کا ثمرہ واصف !
حمد و تسبیح و مناجات ہوئی آج کی رات

مستی فرقت کی ہو یا غربت کی
مست کہتا ہے بات جرأت کی
بوترابی شراب خانے سے!
پی کے آنا ہے بات ہمت کی

یا علیؑ کہہ دیا تو کیا حاصل
جب علیؑ سے ہی ہو نہ تو واصل!
ذرّہ ذرّہ اگر علیؑ نہ کہے!
جان لیجے کہ دل ہوا ہے سِل

یا علیؑ وِرد کی پُکار ہوں مَیں
ہوش رکھتا ہوں مست وار ہوں مَیں
جن کی ٹھوکر سے جام بھرتے ہیں
پائے ساقی پہ اشکبار ہوں مَیں

بُرا نہ مان اگر کہہ دیا ولی ہوں میں
نہیں ہے جُرم کہ ادنیٰ سگِ علیؑ ہوں میں
انہیں کا فیض ہوا ہے انہیں کا نظرِ کرم
علیؑ کی یاد میں ہر دم سنبھلی ہوں میں

بتا سکوں گا کہاں میں قلندری کیا ہے
نگاہِ شوق سے پوچھو کہ دلبری کیا ہے
علیؑ کا رِند ہوں کہنے کی بات ہے اتنی
جہانِ راز ہے میخانہ حیدری کیا ہے



آیا دورِ علی حیدرؑ

آیا دورِ علی حیدرؑ
پربت سے بھاگے پتھر
آیا دورِ علی حیدرؑ

کانپ گیا ٹوٹا خیبر
حیدر سب پر قادر
آیا دورِ علی حیدرؑ

مست ہوا ذرّہ ذرّہ
ناچا مستی میں آکر
آیا دورِ علی حیدرؑ

اپنوں کے گھر آئی عید
آگ مگر غیروں کے گھر
آیا دورِ علی حیدرؑ

میخانے آباد ہوئے
ساقی آیا ہے گھر گھر
آیا دورِ علی حیدرؑ

رندِ علی ہشیار ہوئے
چکر کو دیں گھن چکر
آیا دورِ علی حیدرؑ

ساز بجے سازندے چپ
سرگم گائے انتیم سُر
آیا دورِ علی حیدرؑ

حق والے نے حق پایا
چھین کے بیٹھا تھا ٹھاکر
آیا دورِ علی حیدرؑ

ہاتھی بھُس ہوئے جل کر
کس نے برسائے کنکر
آیا دورِ علی حیدرؑ

توپ کی تو آواز تو سُن
حیدر حیدر یا حیدرؑ

آیا دورِ علی حیدرؑ

پہلی جنگ ابدال لڑے
اب لڑ جائے فوجی حشر

آیا دورِ علی حیدرؑ

یہ ہے آگ یہاں پانی
راکھ ہوئے پربت جل کر

آیا دورِ علی حیدرؑ

دھرتی پر آکاش گرا
ساگر دوڑا ساحل پر!

آیا دورِ علی حیدرؑ

ہل والے کی خیر نہیں
فاقہ ہے مزدور کے گھر

آیا دورِ علی حیدرؑ

ہے یہ قوم بڑی مسکین
لیڈر ہیں لیکن خود سر

آیا دورِ علی حیدرؑ

وہ مردود پرانا تھا
راون رام پرائے گھر

آیا دورِ علی حیدرؑ

خاموشی نے دم توڑا
بات چلی ہے اب کیا ڈر

آیا دورِ علی حیدرؑ

کون قلندر میں یا تو
گُرو اصِف ہے واصِف گُر

آیا دورِ علی حیدرؑ



کیا تیری شان ہے

اے شہِ ہر زماں یعنی فخرِ بیاں تو امامِ جہاں کیا تیری شان ہے
بے زباں کی زباں یعنی علمِ نہاں تو یقینِ بے گماں کیا تیری شان ہے

ہر طرف جلوہ گر تیرا فیضِ نظر تو ہی نور البصر کیا تیری شان ہے
اے کہ گنجِ ہنر یعنی بابِ الخبر تو عجب رازداں کیا تیری شان ہے

تیرے در سے ملی چاند کو روشنی ادنیٰ ذرّوں کو سوزشِ تپش مل گئی
جس طرف بھی نگاہِ کرم ہو گئی، ہو گیا شاہجہاں کیا تیری شان ہے

اولیائے جہاں تجھ کو مانیں ولی تو نے بخشی انہیں دلبری سروری
وِردِ تیرا کریں یا علیؑ یا علیؑ تو نشانِ بے نشاں کیا تیری شان ہے

ایک سرمدؒ ہی کیا تیرا منصورؒ ہے صابرؒ باصفا تیرا ہی نور ہے
بو علیؒ شاہبازیؒ کا دستور ہے تو فصیح البیاں کیا تیری شان ہے

رازِ سازِ انا الحق ترا نام ہے تیری ٹھوکر سے بھرتا ہر اک جام ہے
بس قلندر گری تیرا ہی کام ہے، تو ہمہ عارفاں کیا تیری شان ہے

تو جھکے آسماں جھک کے سجدہ کرے، تو اُٹھے تو زمیں اُٹھے تعظیم سے
سرنگوں بابِ خیبر ہے کہ ضرب سے تو یداللہ عیاں کیا تیری شان ہے

تیرے قدموں میں واصف کو مستی ملی، تیرے فیضِ کرم سے ہوا ہے ولی
کس کو ہمت کہ اس کو کہے کچھ کوئی، ہو گیا جانِ جاں کیا تیری شان ہے



دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

میں ہوں جنونِ باخبر یعنی کہ چاک بخیہ گر
جان و جگر تیری نظر، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

یادِ خدا علیؑ علیؑ، اذنِ خدا علیؑ علیؑ
شیرِ خدا علیؑ علیؑ، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

تُو ہی حیاتِ کشتگاں، تُو ہی سرورِ جاوداں
صُورت گرِ قلندراں، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

نام ترے کی عظمتیں کانپے زمیں و آسماں
تُو ہی مُعینِ بے کساں، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

تُو ہی یقینِ بے گماں، یعنی نشانِ بے نشاں
تُو ہی امیرِ کارواں، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ!

تیرا نشاں بلند ہے عرشِ رواں سمند ہے
ہر دو جہاں کمند ہے، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

باغِ ارم کی قمریاں، حسنِ قدم کی طوطیاں
گویا زبانِ بے زباں، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ!

وسعتِ علم کا ہے دَر، تجھ سے کھلی نظر نظر
رازِ نہاں سے باخبر، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

تو ہی وصی نُورِ عین تُو ہی امامِ قبلتین!
یعنی تیرے حسنؑ و حسینؑ، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ!

سُرمۂ حق کا نُور ہے، یعنی تیرا ظہور ہے
دُور کہاں یہ طُور ہے، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

حُسن تیرا ہے الکتاب، اے کہ شہِ ابوتراب
مست بنا پلا شراب، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

اے کہ امامِ ہر جہاں، واصفِ خستہ جاں کہاں
تیرا ہے اذن دو اذاں، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ



من کنت مولیٰ

یہ کون بولا
بندہ کہ مولیٰ
ھذا المولیٰ
من کنت مولیٰ ——— یہ کون بولا

راز انا الحق
ساز ھوالحق
عارف کا حق
بھید نہ کھولا
من کنت مولیٰ ——— یہ کون بولا

این ما کنتم
انا و انتم
کنت حیاتم
شعلہ ہی شعلہ
من کنت مولا ——— یہ کون بولا

تو نورِ عینی
تو قلبِ جسمی
تو روحِ قلبی
رُوح آج بولا
من کنت مولا ——— یہ کون بولا

خرمن کی بجلی
عینِ تجلّی
دے کے تسلّی
آگ بگولا
من کنت مولیٰ ——— یہ کون بولا

نورِ مجسم
پھول پہ شبنم
گیسوئے برہم
نعم المولیٰ
من کنت مولیٰ ــــــ یہ کون بولا

خوشبوئے گیسو
پھیلی ہے ہر سُو
گویا ہوا ھُو
لیس المولیٰ
من کنت مولیٰ ــــــ یہ کون بولا

واصفِ گھائل
ٹوٹا ہوا دِل
ہر دل کہ بادِل
بسمل نہ بولا
من کنت مولیٰ ــــــ یہ کون بولا

حیدرؑ حیدرؑ

حیدرؑ حیدرؑ یا حیدرؑ
حیدرؑ اللہ کا مظہر

جو چاہے کرے قادر
ہاتھ خدائی، ہے کیا ڈر

حیدرؑ کے ہیں سارے گھر
مورکھ کھولو دل کے در

سجدہ کر اور بات نہ کر
درِ حیدرؑ اللہ کا در

سرِ واصفؔ کا حیدرؑ در
حیدرؑ حیدرؑ یا حیدرؑ

علیؑ

علیؑ عرفان کا در ہے، علیؑ گویا ولی گر ہے
علیؑ مستی کا ساگر ہے، علیؑ وارثِ پیمبر ہے

درود ان پر سلام ان پر علیؑ جن کا برادر ہے
علیؑ تطہیر کا پیکر علیؑ عترت کا شوہر ہے

علیؑ کا نام اسداللہ علیؑ کا چہرہ وجہ اللہ
یداللہ ہے ولی اللہ، علیؑ ملت کا رہبر ہے

علیؑ اصلِ شہادت ہے، علیؑ سجدوں کی عظمت ہے،
کہیں شبیرؑ کا سجدہ، کہیں سجدے میں شبّرؑ ہے

نبیؐ خاتم نبوت کا، علیؑ خاتم خلافت کا!
نبیؐ کا کون ہے ہم سر، علیؑ کا کون ہم سر ہے

علیؑ کی شان یکتائی ہمیں ہر جا نظر آئی!
کہیں مرحب، کہیں خیبر، کہیں نوکِ سناں سر ہے

نبیؐ ذاتِ نوراللہ، علیؑ ہے نور کا شیدا
علیؑ ہے شاہدِ اولیٰ، علیؑ کا کعبے میں گھر ہے

میں ہوں واصفِ علی وردِ علیؑ ہے میرا افسانہ
مجھے ہے کام سجدے سے علیؑ کے در میرا سر ہے



السلام اے ساقیٔ کوثرؓ کے نور
السّلام اے رشکِ صد موسیٰؑ و طور
السلام اے دینِ حق کے پاسباں
السّلام اے صد "اناالحق" کے سرور



سیّد و سرور محمدؐ کے جمال
اے نقیبِ حق علیؓ حیدر کے لال
گوہرِ نایاب و یکتا باکمال!
السّلام اے کہ مثیلِ بے مثال

السّلام اے کہ امامِ قبلتین !
السّلام اے راحتِ جاں نورِ عین
السّلام اے مستیِ عرفانِ حق
السّلام اے سیّد و مولا حسینؑ

حسینؑ

سایۂ مصطفٰےؐ حسینؑ
ہدیۂ مرتضٰےؑ حسینؑ

نورِ خدا ہے با خدا
جذبۂ لاالٰہ حسینؑ

ارض و سما ہوئے اُداس
میرِ رہِ بقا حسینؑ

مَست ولائے مَست گر
جامِ جہاں نما حسینؑ

شرحِ حدیثِ غم توئی
ساجدِ بے ریا حسینؑ

کیا دے خدا تیرا صِلہ
صلۂ وفا خدا حسینؑ

امام حسینؑ

رہبرِ کارواں حسینؑ، رہروِ بے گماں حسینؑ
آج مگر کہاں حسینؑ، مرکزِ ہر فغاں حسینؑ

ہائے قتیلِ بے خطا، ہائے شہیدِ با رضا!
دشتِ بلا میں بے نوا، راقمِ داستاں حسینؑ

اصغرؑ و اکبرؑ و عباسؑ، کوئی نہیں ہے آج پاس
گویا وفا ہے حرفِ یاس، پیکرِ بے زباں حسینؑ

دین پناہ و حق نگر، مشکل کشا و چارہ گر
گھر بھی لٹا، کٹا ہے سر، حیرتِ دو جہاں حسینؑ

زلفِ نبیؐ کا خم توئی دستِ علیؑ کا دم توئی
لوح بھی اور قلم توئی، تیرا نشاں عیاں حسینؑ

واصفِ بے نشاں بھلا، کیوں نہ کہے یہ برملا
کوئی تیرے سوا بھی تھا، دین کا پاسباں حسین

غمِ شبیرؑ

قلم کی تاب کہاں کہ کرے بیانِ غم
فسانۂ غمِ شبیرؑ کا کسے ہے دم
نہیں ہیں کوفی و شامی پہ کائنات حزیں
ہے آسمان پہ ماتم زمیں ہوئی بے دم
جگر بتولؓ کا سبطِ رسولؐ ابنِ علیؑ
کہ جس کے اصغرؓ و اکبرؓ گئے، گیا قاسمؓ
گئے ہیں پانی کو عباسؓ لے کے مشکیزہ
کٹے ہیں بازوئے انور مگر بلند علَم
کیا گیا ہے مدینے کے در کا دل زخمی
یہ کون آیا ہے تلوار لے کے تیر و بلم
میں جانتا ہوں کہ ابلیس فوج لے آیا
پرانے سجدے کا بے دین کو ابھی تھا غم

جواں جوانوں سے لڑتے تو کوئی بات نہ تھی
مریض ساتھ ہیں، بچے ہیں، بناتِ شاہِ اممؐ

ہے آج خیبر و مرحب کے فاتحین پہ ظلم
ہے بے کسی میں شہنشاہِ فخرِ دو عالمؐ

ہے آج ضد کسی ابلیس کو کرو تسلیم
قلم تو ہو گا مگر حق کا سر نہ ہو گا خم

ہمیں ہیں ساقیٔ کوثر، ہیں شافعِ امت
خدا کے گھر کے نگہباں نہیں ہیں مالک ہم

حسینؓ نام ہی حسن و وفا کا مظہر ہے
حسینؓ جامِ نجف ہے نبیؐ کی زلف کا خم

حسینؓ رازِ نہاں کا امین ہے واصف
حسینؓ ناطقِ قرآں ہے خدا کی قسم

گنج بخش فیضِ عالمؒ

السلام اے گنج بخشؒ فیضِ عالم السلام
پرتوِ نورِ محمدؐ شیخ اعظم السلام

السلام اے شہہ بطحٰیؐ کے نور و نورِ چشمِ مرتضٰےؑ
شارحِ شانِ جلالِ دینِ قیم السلام

قبلہ گاہِ خواجۂ ہندالولیؒ روضہ ترا
کعبۂ گنجِ شکرؒ، گنجِ معظم السلام

السلام اے سیدِ ہجویر قطب الاولیاءؒ
چشمِ لرزاں السلام و زلفِ برہم السلام

ملتِ بے مایہ کو گُم کر گئی کم مائگی!
ایک ہم ہیں اور ہے اُفتادِ پیہم السّلام!

کیا قیامت ہے کہ پاکستان ہے زیرِ عتاب
ہم تماشا ہیں تماشائی دو عالم السّلام!

کر گئی مجھ کو قلندر آپ کی شانِ عطا
بارگاہِ حُسن میں واصفؔ ہے راقم السّلام!

داتاؒ کے غلاموں کو

داتاؒ کے غلاموں کو اب عید منانے دو
سرکار نے آنا ہے محفل کو سجانے دو

یہ نورِ نبیؐ کا ہے داتاؒ ہے زمانے کا!
اس در پہ عقیدت سے اب سر کو جھکانے دو

بغداد سے غوثؒ آئے اجمیر سے خواجہؒ بھی
داتاؒ کے غلاموں کو اب رقص میں آنے دو

مستوں کو مبارک ہو پُرکیف گھڑی آئی
بھر جائیں گے پیمانے نظریں تو اُٹھانے دو

یہ وقت ہے رحمت کا وہ سامنے بیٹھے ہیں
داتاؒ کی گزرگاہ میں پلکوں کو بچھانے دو

یہ خاص عنایت ہے واصفؔ میرے داتاؒ کی
سہرا یہ حقیقت کا نصرتؔ کو سُنانے دو

خواجہ معین الدینؒ

ہے دل میں عشقِ نبیؐ کا جلوہ، نظر میں خواجہؒ سما رہے ہیں
ہمارے خواجہؒ ہمارے آنگن میں آج تشریف لا رہے ہیں

نگر نگر میں کرو منادی، ہے آج خواجہ پیا کی شادی
نظر ملا کر وہ داسیوں کو سدا سہاگن بنا رہے ہیں

ہر ایک دل میں سرور اُن کا، ہر اک نظر میں ظہور اُن کا
وہ اپنی آنکھوں کے میکدے سے شرابِ اُلفت پلا رہے ہیں

ہمارے خواجہؒ کے سب سوالی کوئی گیا آج تک نہ خالی
گدا نوازی کی شان یہ ہے کہ سب کی بگڑی بنا رہے ہیں

یہ زندگی ہے نیاز ان کی، ہے دل میں قائم نماز ان کی
حرم سمجھ کر اس آستاں پہ ولی زمانے کے آ رہے ہیں

ضرور فیضِ کرم ملے گا، ضرور دل کا چمن کھلے گا!
ہم اپنے خواجہ معین چشتیؒ کی آج محفل سجا رہے ہیں

فریدؒ، صابرؒ، نظامؒ آئے کہ شاہ بن کے غلام آئے
قطب ولی آج مستیوں کے سبھی خزانے لٹا رہے ہیں

ہے ان کے سر پر علیؓ کا سایہ، نبیؐ نے ہند الولی بنایا
جہاں سے خواجہ معینؒ گزرے وہ راستے جگمگا رہے ہیں

یہی تو معراجِ آرزو ہے، بلند دروازہ رُوبرو ہے
درِ عطا پر پہنچ کے واصفؔ ہم اپنی پلکیں بچھا رہے ہیں

سائیں محمد حسین کانواں والی سرکارؒ

تیری لب بندی میں پوشیدہ جمالِ گفتگو
آستانے پہ تیرے لائی ہے حق کی جستجو

میرے بابا کا یہ فیضانِ نظر دیکھے کوئی
اک نظر سے کرتے ہیں جاری دلوں میں ذکرِ ہُو

موتوا قبل ان تموتوا کی یہی تفسیر ہے
اپنا روضہ زندگی میں ہے نظر کے رُو برُو

روز و شب اس آستاں سے قادری لنگر ملے
کر دیا اس مردِ حق نے اہلِ دل کو سرخرُو

سائیں کانواں والیاؒ، تو نے کیا روشن چراغ
جس کے جلووں کی ضیا باری ہوئی ہے چار سُو

پھر کوئی آئے نہ آئے مردِ حق تیری طرح
میکشو ساقی کی چشمِ مست سے بھر لو سبو

تُو سمندر پی کے بھی خاموش ہے بابا میرے
بولنے والوں کے حصّے میں نہ آئی آبِ جُو

یوں تو واصفؔ اک زمانہ کے فقیروں سے ملا
آنکھ نے تازہ کیا آ کر یہاں اپنا وضو

غلامِ مصطفیٰؐ ہوں

نہ میں شاعر نہ شاعر کی نوا ہوں !
بس اِک ادنیٰ غلامِ مصطفیٰؐ ہوں

علی ابنِ ابی طالبؓ کا سگ ہوں
مگر رندوں کی محفل کا دیا ہوں

بنا ہوں شاہ نظامُ الدّینؒ کا خسروؒ
یوں ہی خسرو کی چوکھٹ سے لگا ہوں

نیازِ عشق میں ڈوبا ہوا ہوں
غرورِ حسن بن کر آگیا ہوں

متاعِ ہر زماں ہیں اشک میرے
سرورِ جاوداں کا ماجرا ہوں

برنگِ گل کھلا ہوں شاخِ گلشن
جہانِ رنگ و بُو کو جانتا ہوں

حیاتِ جاوداں کا راز پایا !
سرِ تسلیم یوں خم کر گیا ہوں

تجلّی نے کیا واصفؔ کو بے خود
خدا جانے میں کیا تھا اور کیا ہوں

نشانِ کارواں

نشانِ کارواں بھی ہو گئے گم
کہ کنتم خیر امّت کیا نہیں تم

کھُلا دشمن کا راز اب تک شاید
کہ پیسہ اور بیٹا ہی عدوّ لکم

تلاشِ حق میں نکلو حق کو پاؤ
سمجھ لو فاذکرونی اذکرکم

بہت کھولے گئے اسرارِ اللہ
مگر یوں تک رہے ہو جیسے ہو صُم

تمہیں کرگس نے نوچا پا کے مردہ
مگر حکمِ خدا ہے قوم ہو قُم

شفاتے جسم تو ہو جاتے لیکن
پُرانا مرض ہے فی قلوبکم

رحیلِ کارواں کا وقت آیا
مگر مہندی لگی ہے فی یدیکم

حیاتِ جاوداں کو کیسے پاؤ
کہ خم کو چھوڑ کر تم ہو گئے خُم

مکینِ لامکاں کی بات سُن لو
ہوا ہے جلوہ گر فی انفسکم

نظامِ میکدہ بدلا ہوا ہے
کہ ساقی ہیں اولی الامر منکم

سریرِ جاں کا مطلب بھی سمجھ لو
مقامِ شکر ہے ولنبلونّکم

امامِ وقت کے آنے دن ہیں
اگل دو آگ جو ہے فی بطونکم

مجھے پیرِ مغاں نے کہہ دیا ہے
کہ فاتبعونی یُحببکم

کبھی انا کبھی معنا کبھی نحن
سمجھ پاؤ نہ تم ھُو ھُما ھُم

وہی ملت ہے جو تھی خیر امّت
کہ ارسلنا رسولؐ منکم

نشانِ بے نشاں ہیں جانِ عالمؐ
نہ سمجھو تم تو بشر مثلکم

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے سُن لو
غرق ہو جاؤ گے فی طغیانکم

عبادت فرض ہے مل کر کرو تم
نہ بھولو حکم اعبدوا ربکم

تمہارے حال پر روتی ہے رحمت
یا ایّھا المزمّلُ قُم!

کہ شاعر کی نوا سمجھے اسے بھی
تو لی دینی و لکم دینکم

صدائے حق سے باغی ہو گئے ہو
ھذا فراق بینی و بینکم

کہا واصف نے جو کچھ بھی سُنا ہے
وگرنہ وہ تھا گہری سوچ میں گم

تیری یاد کا ولی ہوں

میں کسی کی ہوں نظر میں کہ جہاں میری نظر ہے
مجھے کیا خبر نہیں ہے کہ مجھے کہاں خبر ہے

میری زندگی میں کس نے کیا انقلاب برپا
نہ ہے شام شام اپنی نہ سحر میری سحر ہے

ہے شبِ فراق روشن جلے دیپ آنسوؤں کے
نہ ہو ہستیٔ فنا جب کہاں ہستیِ سفر ہے

تیرا نام لے رہے ہیں تیرے راستے کے رہزن
ہے فریب چارہ سازی کہ فساد چارہ گر ہے

کوئی عزم کوہکن ہے کوئی رازقِ وطن ہے
ہے حدیثِ حُسنِ شیریں کہ یہ خسروِ دگر ہے

نہ غنائے قیصری ہے نہ ادائے دلبری ہے
نہ وہ بندہ پروری ہے نہ وہ شوخیٔ نظر ہے

کوئی بدگماں حرم سے کوئی پاسباں حرم کا
یہ زوالِ رہبری ہے کہ کمالِ رہبر ہے

یہ امیرِ کارواں ہے وہ معینِ بے کساں ہے
نہ اسے میری خبر ہے نہ اسے تیری خبر ہے

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے کہ سکوتِ دو جہاں ہے
نہ ہے دل میں درد باقی نہ فغاں میں اب اثر ہے

کوئی مر رہا ہے شاید کہ ہجومِ کرگساں ہے
میرا گھر جلانے والے مجھے تیرے گھر کا ڈر ہے

تجھے کیا خبر نہیں ہے کہ بدل گیا زمانہ !!
پھرے آفتاب اُلٹا، وہ گھڑی قریب تر ہے

تیری یاد کا ولی ہوں کہ میں واصف علی ہوں
میری انتہا یہی ہے تیرے سنگِ در پہ سر ہے

مَیں

میں کیا ہوں معلوم نہیں
میں قاسم مقسوم نہیں

میں تسلیم کا پیکر ہوں
میں حاکم محکوم نہیں!

میں نے ظُلم سہے لیکن
میں پھر بھی مظلوم نہیں

میں مستی کا ساغر ہوں
ہوش سے میں محروم نہیں

تیری رحمت چھوڑے کون
توبہ میں معصُوم نہیں

میرے تبریزی انداز
میں مولائے رُومؒ نہیں

میں مسجودِ ملائک ہوں
میں راقمِ مرقوم نہیں

میں مخلوق کا خادم ہوں
کون میرا مخدوم نہیں

جیتے جی مر جاتا ہوں !
مر کے میں معدوم نہیں

میں نے کیا کیا دیکھا ہے
میں یونہی مغموم نہیں

میں صحرا کی جان ہوا !
میں بادِ مسموم نہیں

میں مایوس نہیں لیکن
اُمیدِ موہوم نہیں

واصفؔ کیا نظمیں لکھے
رنگِ جہاں منظوم نہیں

اذانِ حُر

بڑا گھمنڈ، تفاخر، غرور اور تمکیں
یہ لے کے پہنچا کہاں سجدہ گاہ میں تو جبیں

لباسِ عطر میں ڈوبا ہوا ہے فکر میں دل
زباں پہ نامِ خدا سُرخ چہرہ چیں بہ جبیں

عصائے موسیٰ لئے ہاتھ میں پھرے ہے کہاں
فرعونِ وقت بتاؤ اسے یہ ہے مسکیں

کہ قہقہوں کی بلندی ہی اس کی پستی ہے
فغانِ نیم شبی مانگتا ہے یہ بے دیں

نظامِ نو کی خبر دے رہا ہے اِک چوہا
کہ جیسے شیر کوئی کارواں میں ہے ہی نہیں

بڑی سریلی اذانوں میں محو ہیں سارے
اذانِ حُر بھی سُنی آپ نے یہاں کہ نہیں

ہے خود تو جھوٹا مگر بات کہہ رہا ہے سچ
بڑا مکار ہے یہ بیچتا ہے دینِ مبیں

غلام جان کے ان بے کسی کے ماروں کو
سنوارتا ہے یہ دُنیا بگاڑتا ہے دیں

امام بننے کا ہے شوق اِس کو مدّت سے
بنا ہے درسِ نظامی کے آسماں کی زمیں

"خدا کی راہ میں جو مر گیا شہید ہُوا"
جنابِ راہِ خدا آپ کو ملی کہ نہیں !

خدا کے شکر میں بھرتا ہے پیٹ کو اِتنا
کہ جیسے پیٹ ہو کچھوے کا، واہ رے رہبرِ دیں

حدیثِ قدسی کے ہر راز سے یہ ہے آگاہ
ملا نہ گوشہ کوئی ہو گیا ہے کوٹھی نشیں

یہ ہیں غزالیِ دوراں کہ رومیِ ملّت !
کہ دام لے کے جو بولیں تو جھوم جائے زمیں

مکان اِس کے ابھی چار پانچ چھ ہونگے
مگر یہ رکھتا ہے بارہ اماموں پر بھی یقیں

ملے جو کثرتِ دولت بیاں کرے وحدت !
غریب لوگ بلائیں تو اس کو وقت نہیں

بیانِ تقویٰ توکّل طہارت و توبہ
بغیر دام کے بولے تو یہ کہاں کا امیں

غریب بھائی تمھاری ہی ہوش ختم ہوئی
تمھارے خون کا ہے طالب یہ عاقبت کا نہیں

نماز دار پہ ہوگی یا کربلا میں ادا !
کہ اب چمکنے کو ہے رازِ عاشقی کا نگیں

جبینِ شوق سے خود ڈھونڈ آستانۂ حُسن
صنم خیال کے سب توڑ دو کہ وقت نہیں

یہ کون بول رہا ہے نہ پوچھ واصفؔ سے
کہ وہ بیچارہ تو کاتب ہے رازدار نہیں

فصلِ گل

پھر بہار آئی گلستاں میں کھلے سرو سمن
چاک کر ڈالے گلوں نے اپنے اپنے پیرہن

جھومتے ہیں وجد میں آکر جوانانِ چمن
پھر عنادِل، کبک و قمری ہو گئے ہیں نغمہ زن

عالم آرا ہو گئی مشاطۂ حُسنِ ازل!
دشت میں بادِ صبا ہے جیسے کوئی بے وطن

آج شاخوں سے شگوفے پھوٹتے ہیں اس طرح
دل کی تاریکی میں پھوٹے جیسے یادوں کی کرن

رنگ و بُو نے توڑ ڈالا ہے خزاؤں کا طلسم
نیم شب کے آنسوؤں سے ہے فروزاں انجمن

لشکرِ جذبات سے تاراج ہے اقلیمِ ہوش
حسن کی رعنائیوں سے ہے جنوں شاہِ زمن

سوئے گلشن اُٹھ رہی ہے شاہبازوں کی نگاہ
لوٹتے ہیں خاک میں اب کرگس و زاغ و زغن

مٹ گئے صیاد و گلچیں، جھومتی ہے ہر کلی
بے خطر بے خوف اپنے حسن میں ہو کر مگن

پھر قبائے لالہ سے بکھرا جمالِ گلستاں
بے نقابی ہے نقابِ نو عروسانِ چمن

ہر روش گل پوشی ہے جیسے ہو فردوسِ بریں
آئینہ در آئینہ دیکھا چمن اندر چمن

دل کے آئینے میں واصفؔ جھانکنے کی دیر ہے
گلشنِ ہستی کے در پر ہے نگوں چرخِ کہن

رنگِ چمن

بدل کر رہ گئی رنگت چمن کی
نگاہیں جھک گئیں سروسمن کی
خبر لیجے کسی کے پیرہن کی
ہوئی تجدید پھر دار و رسن کی

چھڑی ہے داستاں اس بانکپن کی
پھبن کی گیسوؤں کی اس دلہن کی
بری نیت ہے کیوں زاغ و زغن کی
خدایا خیر ہو میرے وطن کی

ملی ہے کیا سزا ہم کو لگن کی
قیامت ہے توجہ اس مگن کی
کہ آئے بو بدن سے گو ختن کی
نہ کیجے بات مر کے بھی کفن کی

عجب ہے بات اس دیوانہ پن کی
نہ تن کی ہوش ہے باقی نہ من کی
ضرورت ہے کسی دُنیا کے دھن کی
حقیقت کھل گئی دارِ محن کی

ملے گی خاک میں مٹی بدن کی
زمیں معتوب ہے چرخِ کہن کی
کوئی صورت نہیں باقی امن کی
بجھے گی آگ کیسے اس بطن کی

مگر کیا بات ہے میرے سجن کی
ہے قائم جس سے زینت انجمن کی
یہی ہے بارگاہ شاہِ زمن کی
سند پائی ہے کیا واصفِ سخن کی

شہرِ لاہور تھا

پاک داماں کا گھر شہرِ لاہور تھا
یعنی داتا نگر شہرِ لاہور تھا
حُسن کا مستقر شہرِ لاہور تھا
عشق کا راہبر شہرِ لاہور تھا
محتشم مقتدر شہرِ لاہور تھا
گنجِ علم و ہُنر شہرِ لاہور تھا
طلبِ قلب و جگر شہرِ لاہور تھا
معتمد معتبر شہرِ لاہور تھا
چارہ جُو چارہ گر شہرِ لاہور تھا
ملک کا شیرِ نر شہرِ لاہور تھا
رُخِ رشک و قمر شہرِ لاہور تھا
دانش بخیہ گر شہرِ لاہور تھا
حشمت و جاہ و فر شہرِ لاہور تھا

اِک انوکھا گھر شہرِ لاہور تھا
دلی سے بیشتر شہرِ لاہور تھا
اِک فغانِ سحر شہرِ لاہور تھا!

بے ریا بے خطر شہرِ لاہور تھا
مستی و مست گر شہرِ لاہور تھا
جامِ باب الخبر شہرِ لاہور تھا
حق پناہ حق نگر شہرِ لاہور تھا
خسروِ تاجور شہرِ لاہور تھا
بام و در با نظر شہرِ لاہور تھا
واصفِ با خبر شہرِ لاہور تھا
بزمِ داتا نگر شہرِ لاہور تھا

کل تلک ہی مگر شہرِ لاہور تھا
وہ یہی شہر تھا یا کوئی اور تھا

سرِ عرش نعرہ بپا ہُوا

سرِ عرش نعرہ بپا ہوا کہ یہ کون ہے اِسے کیا ہوا
کوئی منچلا ہے کہ دل جلا یا وجودِ ہست فنا ہوا

یہ مقامِ دِل ہے کہ الاماں یہ کہاں نصیبۂ قُدسیاں
کہ فغاں گئی سوئے لامکاں تو مکیں کا دل تھا ہِلا ہوا

یہ دعا تھی ایک غریب کی کسی دل جلے کے نصیب کی
کہاں بات تھی یہ قریب کی کہ فلک کا در تھا کھلا ہُوا

اسی قوم کی کہ جو سو گئی وہ بھٹک کے رہ بھی کھو گئی
وہ جو یادِ رفتہ ہی ہو گئی کسی راہزن کا بھلا ہُوا

چلے ہند سے تھے جو قافلے کہ خدا کی راہ میں لُٹے ہوتے
ابھی آ کے ٹھہرے ہی بھی نہ تھے کہ فساد و فتنہ بپا ہُوا

یہ مثال ایسی مثال ہے کہ مثال اس کی محال ہے
ہوا کیسا قوم کا حال ہے ہو چراغ جیسے بجھا ہُوا

یہ انوکھی راہوں پہ آ گئی کہ گئی ابھی کہ ابھی گئی
ملے راہ بر تو اسے کئی نہ کسی سے وعدہ وفا ہوا

یہ خدا کے نُور کی نُور ہے ابھی منزلوں سے ہی دور ہے
ہوا ہر قدم پہ قصور ہے کہ حجاب سا ہے پڑا ہُوا

یہ پلٹ کے جھپٹے تو قہر ہے یہی قوم حاصِل دہر ہے
پڑی ساحلوں پہ یہ لہر ہے کہ ہے اِس پہ جادُو کیا ہوا



طالبِ علم سے

مِلّت کے جواں غور سے سُن لیں یہ کہانی
اب آئی نئے دور کی یہ صبح سُہانی
استاد کی عزّت سے ملے راہِ ترقی
اب چھوڑیئے گستاخی کی یہ رسم پُرانی
رہبر کے گریباں پہ ہے ہاتھ تمہارا
لاحول ولا یہ تو ہے شیطاں کی نشانی
ہے کھیل تماشوں میں بڑا وقت گزارا
ماں باپ کا ہے خوں جسے تُم سمجھے ہو پانی
تعمیر تری اپنی ہی تعمیرِ وطن ہے!
تکمیلِ جنوں میں نہ لُٹا اپنی جوانی
ہے تیرے لئے علم کی راہوں میں اندھیرا
میں نے یہ سُنا تیرے ہی رہزن کی زبانی

تعلیم کی تکمیل میں ہے تیری سیاست!
لیڈر ہیں بہت کہنے کو یہ رام کہانی
اسلام کا گھر ہے یہاں اسلام رہے گا
اسلام ہے باقی تیرے لیڈر ہی ہیں فانی
استاد کی عزّت کرو ماں باپ کی خدمت
کافی ہے وطن کے لئے اسلام کا بانی!
اسلام کی رو سے ہی مُساوات ملے گی
گھبرائیے کیا آنے کو ہے صُبح سُہانی
دولت کے پُجاری ہی ہیں مِلّت کے لٹیرے
ڈاکو کو سزا ملتی ہے، ہے رسم پُرانی
تم علم کی تحقیق میں مغرب کو پچھاڑو
لے آؤ ذرا چاند پہ رکھی ہے نشانی
جنگل میں ہیں جلسے کہ ابھی شیر نہیں ہے
آئے گا تو گیدڑ سبھی چلائیں گے پانی
راتوں کو بُرے لوگ پھرا کرتے ہیں واصِف
سورج کی شعاعوں نے مگر ایک نہ مانی

اور میں ہوں

سکوتِ دو جہاں ہے اور میں ہوں
میرے دل کی فغاں ہے اور میں ہوں

ہجومِ بیکراں ہے اور میں ہوں
وفورِ غم عیاں ہے اور میں ہوں

حقیقت کا بیاں ہے اور میں ہوں
نیازِ قدسیاں ہے اور میں ہوں

یہاں پیرِ مغاں ہے اور میں ہوں
شرابِ ارغواں ہے اور میں ہوں

ہجومِ عاشقاں ہے اور میں ہوں
میری ہی داستاں ہے اور میں ہوں

رحیلِ کارواں ہے اور میں ہوں
یقینِ بے گماں ہے اور میں ہوں

مآلِ آشیاں ہے اور میں ہوں
وہی برقِ تپاں ہے اور میں ہوں

نشانِ رفتگاں ہے اور میں ہوں
حرم کا پاسباں ہے اور میں ہوں

دعائے تشنگاں ہے اور میں ہوں
کہ کانٹوں کی زباں ہے اور میں ہوں

حدیثِ دلبراں ہے اور میں ہوں
پرانا رازداں ہے اور میں ہوں

حریمِ کشتگاں ہے اور میں ہوں
حیاتِ جاوداں ہے اور میں ہوں

سرودِ کن فکاں ہے اور میں ہوں
نظامِ ناگہاں ہے اور میں ہوں

بہارِ بے خزاں ہے اور میں ہوں
نگاہِ دل رواں ہے اور میں ہوں

وہی کل کا سماں ہے اور میں ہوں
وہ مصروفِ بیاں ہے اور میں ہوں

وفائے دوستاں ہے اور میں ہوں
نصیبِ دشمناں ہے اور میں ہوں

زبانِ جاہلاں ہے اور میں ہوں
سکوتِ عارفاں ہے اور میں ہوں

وجودِ ناتواں ہے اور میں ہوں
بہر سو رقصِ جاں ہے اور میں ہوں

حریرِ پرنیاں ہے اور میں ہوں
سریرِ ریگ جاں ہے اور میں ہوں

ہجومِ لیڈراں ہے اور میں ہوں
فلاں ابنِ فلاں ہے اور میں ہوں

نوائے قمریاں ہے اور میں ہوں
ندائے طوطیاں ہے اور میں ہوں

جوابِ لن تراں ہے اور میں ہوں
غرورِ مہوشاں ہے اور میں ہوں

امامِ ہر زماں ہے اور میں ہوں
وہی فخرِ بیاں ہے اور میں ہوں

قلندر کا نشاں ہے اور میں ہوں
برنگِ آسماں ہے اور میں ہوں

یہ سنگِ آستاں ہے اور میں ہوں
کہ واصفؔ نیم جاں ہے اور میں ہوں



میں کون ہُوں

میں کون ہوں کیا پوچھا ہے آ تجھ کو بتا دوں
اِک دہکی ہوئی آگ ہوں چاہوں تو جلا دوں

میں پریم کا ساگر ہوں ترے پاس رہا ہوں !
مُنہ کھول ذرا تجھ کو بھی دو گھونٹ پِلا دوں

یہ جاننا چاہتے ہو کہ ہوں راز میں کِس کا ؟
آ خاک میں مِلنا ہے تو ہمراز بنا دوں

میں راز تو کھولوں گا مگر پیشتر اِس کے
چاہتا ہوں کہ آدابِ قلندر ہی سکھا دوں

فطرت نے مجھے بخشا ہے وہ ذوقِ تماشا
بارنگ کو بے رنگ کے پردے میں چھُپا دوں

مشرق سے اگر آؤں تو ہوں زیست کا پیغام
مغرب سے نکل آؤں تو ہر نقش مٹا دوں

خاموش رہوں خاک کا ذرّہ ہے مرا نام
مستی کا بنوں نعرہ تو افلاک ہلا دوں

سرگرم ہوں کسی سوز کا میں دُکھ کا ہوں گانا !
اِک ہوک ہوں پتھر کے کلیجے کو ہلا دوں

طوفان سے کھیلا ہوں کہ ہوں موجِ تلاطم
ساحل جو نظر آئے سمندر میں گِرا دوں

ناقوس ہوں میں وقت کا، میں بانگِ درا ہوں
میں دوش کو فردا کبھی امروز بنا دوں

سچّا ہوں ولی ہوں کہ میں اِک رندِ علیؑ ہوں
مخفی ہوں جلی ہوں میں تجھے کیسے بتا دوں

واصفؔ پہ گماں کر کے بڑا ظلم کیا ہے
بخشا ہے الٰہی نے بڑا دل کہ بھُلا دوں

نہ یہ راز ہے نہ سراب ہے

کوئی ہمسفر ہے نہ رازداں
چلا دل نظر کا ہے کارواں

ہے چمن چمن مرا ہم زباں
لو تڑپ کے جل اُٹھیں بجلیاں

یہ جہاں مرا ہے کہاں جہاں
میرے مہرباں ہے ترا جہاں

تیری اک ادا کا ہے فیصلہ
ہمہ دلبری ہمہ دلبراں

میرے جُرم خانہ خراب کو
مِلا آسرا تیرا آستاں

ہے قِدم حدوث سے ماورا
تو قِدم حدوث کا ہے گماں

ہے قِدم کا جلوہ حدوث میں
تو قِدم حدوث کی ضد کہاں؟

یہ ازل سے کہتے رہے ہیں ہم
کہ نظامِ ہستی ہے ناگہاں

میری بات میں وہ اثر ہوا
کہ جو "کُن" کہا تو ہوا "فکاں"

میری ذات میں ہوا میں نہاں
میں صفات میں ہوا ہوں عیاں

میرے ملک میں ہے نظام کیا
یہی پاک لوگوں کا ہے ستاں

ہیں غریب میرے میں ان کا ہوں
کہ نوا ہے اِن کی مری زباں

میری قوم نوچی گئی ہے کیوں
کہ الگ بدن سے ہیں ہڈیاں

یہ ہجوم کیسا وطن میں ہے
ہمہ لیڈراں ہمہ کرگساں

میں ترا ہی حُسنِ خیال ہوں
میں تیرے ہی نام کا ہوں نشاں

میں اُٹھوں تو اُٹھتی زمین ہے
میں جھکوں تو جھکتا ہے آسماں

میرا نام کوئی نہیں مگر
میں بقائے ملک کا پاسباں

کوئی جا کے کہہ دو ذرا اسے
کہ تو فتنہ کیسے کرے یہاں

میرے ایک پنجے کی زد میں ہیں
یہ نظامِ نو کی تتلیاں !

میں مٹاؤں دشمنِ ملک و دیں
میں نویدِ ہستیِ دوستاں

میری اِک نظر کا شکار ہیں
جو بنے ہوئے ہیں فلاں فلاں

نہ یہ راز ہے نہ سراب ہے
ہے ظہورِ مولیٰ کی داستاں

یہ اسی کے فیض کا ہے کرم
ہے اسی کی بات مری زباں

میں جو خود مجسّم غم بنا
میری قوم کا غم رہا کہاں

وہ جو نقشبندِ وفا ہوئے
ہیں رضائے حق ہمہ چشتیاں

میں ہی شاہِ نو کا غلام ہوں
میں بنا ہوں نوشہِ کارواں

ہے وہ شیر شاہِ زمن مکاں
ہے مجال کس کی کرے گماں

نہ مٹا سکیں گے نشانِ منزل
ہر اِک نشاں پہ ہے آستاں

کہ جو سہروردِ قدیم ہیں
ہیں تمام میرے ہم زباں !

میں ہی صابری رند قادری
میں ہری ہری میں ہی ست گلاں

ہے نشانِ داتا ئے ہر زماں
ہمہ عاشقاں ہمہ خواجگاں

ہے سلام پہلا یہاں روا!
کہ یہ پاک مرقدِ بیبیاں

ہو درُود لاکھوں سلام اِن پہ
کہ جو ہیں اصلِ تجلّیاں

وہ غریب آقا یتیم و مسکین
کہ روحِ امیں سر بسجدہ درباں

یہ اسی کا نور ظہور ہے!
کہ وہ شاہ شاہانِ خسرواں

بلغ العُلیٰ کی بلندیاں
کشف الدُّجیٰ کی تجلّیاں

حسنت جمیع کی شوخیاں
صلّوا علیہ کی ہیں مستیاں

تو کہاں ہے واصفؔ بے نشاں
ہے انہیں کے فیض کی داستاں!

مزدور

مزدور کا لیڈر بھی ہو مزدور تو ہے بات
مزدور کی قسمت میں ہے کب کاروں کی بارات

ہر شب جو کلبوں میں ہوں بدمست مئے ناب
کیا جانیں کہ مزدور نے کاٹی ہے کہاں رات

یہ کرتے ہیں توہین غریبی کی ہماری!
قارون کے چیلوں نے کہاں بخشی مساوات

انسان کو پیدا کیا اس خالقِ کل نے!
پیدا کئے جس ذات نے ارض و سمٰوات

وہ چاہے کرے جیسے کرے قادرِ مطلق
ہے کس کی یہ ہمّت کہ کرے اس سے سوالات

وہ چاہے یتیموں کو پیغمبر کا لقب دے
مٹی سے اُگاتا ہے عجب رنگ کے باغات

خیبر جو اکھاڑے اسے وَجہُ اللہ بنا دے
جس ہات میں کنکر ہوں اسے اپنا کہے ہات

جی چاہے تو لے آئے اسے دشتِ بلا میں!
جس کے لئے اِک کھیل ہے اعجاز و کرامات

دریا کے کنارے رکھے معصوم کو تشنہ!
دے ریت کو عزّت تو پشیماں ہو فرات

مقتول کو تو زندۂ جاوید بنائے
ملعون کو قاتل کو کہے مات پہ کھا مات!

اس رب کی ہے تقسیم انوکھی میرے بھائی
کیا جانے اسے مشرک و ملحد کی خرافات

چھینا ہے غریبوں کا اگر حصّہ کسی نے
مل جائے گا واپس کہ نہیں کوئی بڑی بات

ہے شرط مگر ایک کہ تسلیم کرو تم!
طابع ہیں خدا کے یہ جمادات و نباتات

وہ رزق کا ضامن ہے تیری جاں کا محافظ
وہ چاہے تو پیدا کرے شب و روز سے دن رات

عزّت دے کسی کو تو کسی کے لئے ذلّت!
جس حال میں رکھّے ہے اسی کی عنایات

ہم پر ہے اطاعت فقط اس ایک کی لازم
لیڈر کی خرافات سے نکلے گی خرابات

یہ ملیں بنیں گی کسی بجلی کا نشیمن!!
تم دیکھو تو کیا ہوتا ہے اب دور نہیں بات

مزدور نہ ہو خوش تو ہے لعنت ہی وطن پر
باغی ہو جو مزدور تو ہے ختم ہر اِک بات

یہ ملک دیا جس نے سنبھالے گا اسے وہ
ہے چشمِ کرم ساقیٔ کوثر کی عنایات

کچھ بات دعاؤں سے بھی ہو جاتی ہے حاصل
ہم بھول گئے طرزِ فغاں رسمِ عبادات

مزدور تھا خود والیٔ اُمّت تھا اگرچہ!
مزدوری غریبی تو اسی نورؐ کی سوغات

کر شکر کہ مولا نے تُجھے اپنا بنایا!
بے چین نہ ہو بھائی بڑے غور کی ہے بات

لعنت ہے وہ دولت کہ جو خود غرض بنائے
لعنت ہے وہ لیڈر کہ جو ہو مستِ خرابات

لعنت ہے وہ غُربت کہ جھکے کفر کی جانب
رحمت ہے وہ غُربت کہ جو پا جائے نجات

یہ دُنیا ہمیشہ سے ھی مومن پہ گراں ہے
لیکن یہ فراعین ہیں کیوں قاضیٔ قضات

اسلام نے ہر مسئلہ حل کر کے دکھایا
مشرق کا ہے اعجاز نہ مغرب کے کمالات

واصفؔ نے غریبوں کو ہے یہ مژدہ سُنایا
اب آنے کو ہے دَور کہ بس بھاگیں گے جنات

عشق

تم چاہے جسے اپنا طلبگار بنا لو
بازار کو دیکھو تو خریدار بنا لو

ہر حرفِ تمنّا تیرا اعجازِ نظر ہے
اظہار کے انداز کو اشعار بنا لو

قطرے کو اگر چاہو تو قلزم نظر آئے
اِک ذرّۂ ناچیز کو فنکار بنا لو

اے عشق تیرے دم سے ہے سب ذوقِ تماشہ
تم آتشِ نمرود کو گلزار بنا لو

تو ہاتھ نہ آئے تو یہ حیوان مجسّم
انسان کو تم صاحبِ اسرار بنا لو

واصفؔ اسی دُنیا میں وہ دُنیا بھی ملے گی
ہے شرط کہ تم عشق کو سالار بنا لو!

ظہورِ مولیٰ

ہے عجب کہ روتے غریب ہیں وہ کہاں جو رب کے قریب ہیں
ملے راہ بر عجیب ہیں، کوئی سر پہ جیسے چڑھا ہُوا

تو حرام کھا کے شراب پی، تو غریب مار کے خوب جی
تو جہنمی ہے تو دوزخی، تیرا چہرہ دیکھوں جلا ہُوا

لئے فوج سر پہ کھڑا ہُوا، ہے غنیم در پہ پڑا ہُوا
تو ہے غرضِ خود میں گڑا ہُوا تو ہی لیڈری کا خدا ہُوا

نہ امیر ہیں نہ فقیر ہیں کوئی رہبر ہیں نہ پیر ہیں
یہاں بو ترابی فقیر ہیں کہ ہے ملک اب بھی بچا ہُوا

نیا دَور آنے کو ہے ابھی کہ غریب ہوں گے تو ہوں سبھی
ملے چین پائیں سکوں جبھی کہ ملے گا حِصّہ چِھنا ہُوا

ذرا کھول کان کی کھڑکیاں ہے ظہُورِ مولیٰ کی داستاں
کسی طُور پہ ہیں تجلّیاں کہ کلیم پھر ہے گرا ہوا !

تجھے کیا بتاؤں او بے خبر، یہ خبر نہیں ہے یہ ہے نظر
مجھے حکم اتنا ہی تھا مگر کہ سُنایا جو تھا سُنا ہوا

ہے یہ عرض واصفؔ رِند کی کہ ملے حکومت فقر کو
ذرا تہ میں پہنچئے پند کی کہ ہے حکم رب نے کیا ہُوا

تلاش

کسی راہ بر کی تلاش ہے نہ ہی ہمسفر کی تلاش ہے
نہ نظر جو میری نظر ہوتی، مجھے اس نظر کی تلاش ہے

تو خبر کے دام میں آگیا، کہ جو مبتلائے گماں ہوا
میں نکل گیا سوئے لامکاں، یہ میری نظر کی تلاش ہے

مجھے منزلوں کی طلب نہیں، کبھی ہوتی ہوگی پر اب نہیں
جو ترے خیال میں کھو گئی، اسی چشمِ تر کی تلاش ہے

ترا غم ہی چارہ ساز ہے تیرا عشق ہی نماز ہے
کھلا جب سے رازِ مجاز ہے، کسی چارہ گر کی تلاش ہے

ہوں چراغ داغ بنا ہوا، سرِ شام جلتا ہوں شوق سے
مرے پاس آئیں گے وہ کبھی جنہیں اک سحر کی تلاش ہے

نہ فراق کی مجھے ہے خبر نہ خیال عرض وصال ہے
میں جبینِ شوق ضرور ہوں ترے سنگِ در کی تلاش ہے

میں وہی ہوں واصفِ بے ہنر، تیری یاد میں ہوا دربدر
کہ فنا بقا کی نہیں خبر، تیری راہ گذر کی تلاش ہے

باغوں میں بہار آئی

باغوں میں بہار آئی
پی پی ہے پپیہے کی، کوئل کی پکار آئی

گل چاک نہ ہو جائیں
معصوم تمنائیں، بے باک نہ ہو جائیں

معصوم نگاہیں ہیں
پل بھر کی خوشی دیکھی، پھر عمر کی آہیں ہیں

کیوں روتی ہے یہ شبنم
تم تم نہ ہو گے جب، ہم بھی نہ رہیں گے ہم

پل بھر کی خوشی دیکھی
روتے ہوئے شبنم نے پھولوں کی ہنسی دیکھی

جو آنکھ بدلتے ہیں
وہ لوگ زمانے میں پھر ہاتھ ہی ملتے ہیں

یہ کیسا زمانہ ہے
اس دنیا میں آنا ہی جانے کا بہانہ ہے

میں قطرے میں ہوں دریا

میں قطرے میں ہوں دریا — میں ذرّے میں ہوں صحرا

میں سمٹوں پھیلوں ہر سُو — میں ہوں اِک بادل کالا

میں مشرق میں ہوں مغرب — میرا انت کہاں ہو گا

میں شبنم موتی تارا — میں اشکوں کی ہوں مالا

میں چاہوں کس کو چاہوں — میری چاہت پر نہ جا

میں پربت دھرتی میری — میں شہباز فلک میرا

انت مجھے ہی پاؤ گے — میرے جیسا ڈھونڈ کے لا

آج ملن کی آئی رات — رو رو کے تھا دِن کاٹا

میں ہوں پریم تمہارا کون — تو ہے پیسے کا بھوکا

تیری چاہت دھوکا ہے — میں ہوں دھوکے کا دھوکا

تو بھائی کی کاٹے جیب — نام نہ لے تو مولا کا

تو اندھا ہے کیا دیکھے — میں نے تجھ کو دیکھ لیا

تو گھر کس کو کہتا ہے — مٹی ہے تو جس گھر جا

ہم سے غلطی ایک ہوئی — لا اِلٰہ اِلا اللہ

نہ جانے ہم نے کیونکر — کس کے نام پہ مُلک لیا

ہم سندھی نہ پنجابی — ہم نے دلی کو چھوڑا

اب ہم غیروں کے ہیں غیر — یہ وہ ہم تم کون ہے کیا ؟

میں اسلام کا لیڈر ہوں — کون پڑھے لاحول ولا

میری ایک جماعت ہے — اسلامی انداز مرا

میں نے افسانے لکھے — میں نے علم بڑا پایا

میرا نام توکّل ہے — میں اب تخت کا ہوں شیدا

میں چاہوں سب کو ماروں — میرے پاس بڑا پیسہ

میں تقریر کا ماہر ہوں — نہ جانے کیا بول گیا

میں اب جنگ کروں تم سے — مدّت تک میں چُپ بیٹھا

لاٹھی گولی میرے پاس — نام تو لو اب جلسہ کا

میرے پاس ہزاروں جِن — کارندے میرے طلبا

اب میرے تیور بدلے — اب میرا انداز نیا

میرا ادب ہوا لازم — انا ربکم الاعلیٰ

میں موجود وجودی ہوں — دیکھ ذرا میرا چہرہ
میں ہی غیب کا عالم ہوں — اب فتنہ برپا ہو گا
میرے گھر میں سو کاریں — میں اسلام نہیں ہوں کیا
پاکستان بنایا میں نے! — میں اِس ملک کا بانی تھا
میں اس ملک کا حافظ ہوں — جو ہو گا ہو جائے گا
اندھے لوگ کہاں دیکھیں — میں جانوں کہ قہرِ خُدا

واصفؔ نے کچھ پھُونک دیا
میرا کام تمام ہُوا!

عید مبارک*

افسردہ ہیں افلاک و زمیں عید مبارک
آزردہ مکان اور مکیں عید مبارک
نمناک ندامت سے جبیں عید مبارک
یہ عید کوئی عید نہیں عید مبارک
یہ صبحِ مسرت ہے کہ شامِ غریباں
رنجیدہ و دلگیر و حزیں عید مبارک
ملت کے جواں قید میں پابندِ سلاسل
پردیس میں کیمپوں کے مکیں عید مبارک
چھلنی کیا کفّار نے تاریخ کا سینہ
دل کو نہیں ہستی کا یقیں عید مبارک

---

* سقوطِ ڈھاکہ کے بعد پہلی عید کے موقع پر

توحید پرستی ہی فقط جرم تھا میرا
گھنائی ہے کیوں عظمتِ دیں، عید مبارک

کچھ بھول ہوئی ہم سے یہ کہنا ہی پڑیگا
بے وجہ یہ اُفتاد نہیں، عید مبارک

افسوس تو یہ آج بھی ہم ایک نہیں ہیں
اِک نظرِ کرم بانیٔ دیں! عید مبارک

کہنا ہے بصد عجز یہ اربابِ وطن سے
کب آئے گا وہ دورِ حسیں، عید مبارک

بھٹکی تو ہے یہ قوم رہِ راست سے لیکن
اِس قوم کا ثانی ہے کہیں؟ عید مبارک

پہنچائے اسیروں کو صبا عید مبارک
گو دیر ہے اندھیر نہیں، عید مبارک

محبوس جوانوں کے عزیزوں سے یہ کہنا
مولا ہے نگہبان و امیں، عید مبارک

یہ بات قلندر کی قلندر ہی کہے گا
گو بات یہ کہنے کی نہیں، عید مبارک

"ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات"
رُکتے ہیں کہیں پائے یقیں، عید مبارک

پھر نعرۂ تکبیر سے گونجیں گی فضائیں
آپہنچا ہے وہ وقت قریں، عید مبارک

مومن کبھی مایوس نہیں رحمتِ حق سے
مومن کا ہے دل عرشِ بریں، عید مبارک

آنے کو ہے اب دورِ ترا میرِ عساکر
کہتی ہے تجھے فتحِ مبیں، عید مبارک

ملّت سے شہیدوں کا لہو کہتا ہے واصف
دُنیا کے عوض بیچ نہ دیں، عید مبارک

ترے جلووں کی زد میں آ گئے ہیں
ہم اپنے آپ سے شرما گئے ہیں

ہمارے پاس ہی وہ آ رہے تھے
بجا ہے ہم وہاں بے جا گئے ہیں

قیامت کا سہی دن تو طلوع ہو
سکوتِ شب سے ہم گھبرا گئے ہیں

بہت تھی مختصر روئیدادِ ہستی
چلے تھے گھر سے ہم گھر آ گئے ہیں

نگاہوں میں چھپا تھا قلزمِ اشک
یونہی واصفؔ سوئے صحرا گئے ہیں

اک درد کا قصّہ یاد رہا، میں دل کا لگانا بھول گیا
رو رو کے سنایا افسانہ، عنوان بتانا بھول گیا

کب کس کی نظر سے اپنی نظر ٹکرائی کہاں تو یاد تو کر !
مدہوش نظر نے مست کیا میں ہوش میں آنا بھول گیا

ساقی کی نظر سے پی میں نے، میخانے میں کہرام مچا
رندوں نے بہت پوچھا لیکن میں نام بتانا بھول گیا

کل تک میں کسی کی بزم میں تھا اب ڈھونڈ رہا ہوں محفل کو
اک راگ الاپا تھا لیکن میں گیت سُنانا بھول گیا

گستاخ نہیں بے باک سہی، ناگاہ نگاہیں چار ہوئیں
میں سر کو جُھکانا بھول گیا نظروں کو گرانا بھول گیا

واصف کو ملے انداز عجب آنسو ہیں مری ہستی کا سبب
کس بات پہ روتا ہوں ہر شب ہے قصّہ پُرانا بھول گیا !

اپنے دیس میں میں پردیسی، اپنے گھر میں میں مہمان
رُوپ انوکھے یاد تری کے، تو چاہے اب مان نہ مان
بستی بستی، جنگل صحرا، تجھ کو ساجن ڈھونڈا ہے
ہر چہرے پہ آنکھ ہے میری، ہر آہٹ پر میرے کان
دیر و حرم کی سرحد سے ہے، دور تمہارا دیس پیا
شاہ رگ سے نزدیک مِلا ہے کل یوم ھو فی شان
شمس و قمر میں تیرے جلوے، ارض و سما میں نور تیرا
پتھر کانپے نام سے تیرے، انجم و شجر ہیں یسجدان
وحدت کثرت، کثرت وحدت، کھیل پرانا آنکھ مچولی
خود کو اپنی آنکھ سے دیکھے، ہم سے کیسی جان پہچان

سانس کی آری کاٹ رہی ہے عمر کا سایہ دار درخت
یہ بستی بسنے کی نہیں ہے، کوچ کا کر لیجے سامان
یثرب دولہا کے سنگ ہولی ہر دم کھیلے الرّحمٰن
یٰسٓ وحٰم مزمل، طٰہٰ نور والقرآن

واصفؔ بیچارہ کیا بولے، بھید تمہارا کیونکر کھولے
تو کیا ہے تو خود ہی جانے، یا جانے ناطق قرآن

○

تیرا ملنا محال کیا ہوگا
تو ملا بھی تو حال کیا ہوگا

سوچ کر لائیے جواب کوئی
جانتے ہو سوال کیا ہوگا

میرے ہوتے ہوئے ہوا نہ کبھی
بعد میرے وصال کیا ہوگا

تجھ کو دنیا سے ہی نہیں فرصت
تجھ کو میرا خیال کیا ہوگا

یار کی یاد بن کے رہتا ہے
زخم کا اندمال کیا ہوگا

ان کی نظریں بدل گئیں واصفؔ
شیشۂ دل میں بال کیا ہوگا

دارِ ہستی منتظر ہے صد انا الحق کی پکار
میکدہ میں جھومتی گاتی ہوئی آئی بہار

چشمِ ساقی نے کیا ہر رند کو ہے راز داں
چاک ہے دامانِ گل بلبل ہوا ہے بیقرار

جلوۂ محبوب کی رنگینیاں ہیں ہر طرف
دیدۂ حیراں لئے در دیوار ہے آئینہ دار

گرمیِ رخسار کہنا ہے تو کہہ لیجیے اسے
زندگی بے کیف تھی ذوقِ فنا کا ہے خمار

بوعلی شہباز ہے شہباز ہے بوئے علی
سب علیؑ کا فیض ہے کہنے میں کیا ہوتی ہے عار

اک انوکھے رنگ سے تعمیرِ ہستی ہو گئی
پھر جنوں نے کر دیا دامنِ خرد کا تار تار

کرگس و بگلے نے اپنا نام رکھا شاہباز
اور واصف چپ رہے جیسے نہیں ہے ذوالفقار

میخانے کا در، ہے مست نگر، نذرانے میں سر، پی لے کیا ڈر
ساقی کی نظر سے پی بچ کر، صد جام اگر ہمت ہے تو بھر
مٹی میں ملے، تو راز ملے، ہر عقدہ کھلے، یوں دور چلے
دلبر نہ ملے، دل کیوں نہ جلے، جب شمع جلے، پروانہ رہے کیوں کر
ساقی ہے جہاں، میخانہ وہاں، کر دل سے فغاں وجہ اللہ عیاں
مت کھول زباں، کر راز نہاں، ہو جائے عیاں، تو دار پہ سر
میں کیسے کہوں، جو چاہوں کروں، دیکھوں یا سنوں، کن سے فیکوں
اے سوزِ دروں، میں کس سے ڈروں، میں تھا میں ہوں، ہستی کا سفر
نعرہ ہی مرا، ہے بانگِ درا، دی میں نے صدا، افلاک ہلا
اک گجر بجا، تو سویا رہا، اب سو کے دکھا، نوبت گھر گھر

میں جان گیا، پہچان گیا، تو نے جو کہا، سامان گیا
لے آئے ہو کیا، پوچھے گا خدا، کر غور ذرا، اس وقت سے ڈر
ملّت کس کی، لاٹھی جس کی، بڑ بے حس کی، ہے تھی جس کی
آرائش کی، آلائش کی، آسائش کی اب بات نہ کر
کیوں چُور ہوا، مجبُور ہوا، رنجُور ہُوا، بے نُور ہُوا
جو دور ہوا، کافور ہوا، مغرُور ہُوا، نیچا ہُوا سر

واصف کی سنو، اپنی نہ کہو، تم کیا جانو، تم کیا سمجھو
مستی دیکھو، مستی سے ڈرو، چاہو تو سنو، ساقی حیدرؒ



مرے ہی دل میں رہے اور رُو برو نہ ہوئے
برنگ اشک ملے حُسنِ چار سُو نہ ہوئے

مٹا خیالِ زمان و مکاں کہ جیسے ہم!
ترا جمال ہوئے خاکِ کُو بہ کُو نہ ہوئے

تیرے فراق میں صدیاں گزار دیں ہیں مگر
تمہارے جیسے ملے لاکھ، ہُو بہو نہ ہوئے

کہ رائیگاں ہوئے ابلیس کا نصیب ہوئے
وہ سجدے جو کسی چوکھٹ کی آبرو نہ ہوئے

چلا ہوا ہے ازل سے ہی کاروانِ خیال!
طیورِ قُدس کبھی صیدِ جستجو نہ ہوئے

میں چاکِ ہستی ہوں مجنوں کا پیرہن تو نہیں
یہ چاک وہ ہیں ازل سے ہی جو رفو نہ ہوئے

ڈبو گئی مجھے مستی میں اِک نگاہِ کرم
وہ ولولے ہیں کہ جو حاصلِ سبُو نہ ہوئے

ترے جمال کی رنگت کہاں کہاں نہ ملی
یہ اور بات کہ ہم حرفِ آرزو نہ ہُوتے

تمہارا ذکر ہر اِک لب پہ آ چلا تھا مگر
ہم ایسے کھوئے کہ بس وجہِ گفتگو نہ ہوئے

تمہاری یاد میں کعبہ بنا ہُوا ہے دل !
نگاہِ شوق کے سجدے بھی بے وضو نہ ہوئے

نشانِ منزلِ دل پوچھتے ہو کیا واصفؔ
چمن کے پھول کبھی محوِ رنگ و بُو نہ ہوئے



مجھے کب زندگی کی آرزُو ہے
مگر جب تک تمہاری جستجُو ہے

بہاریں ہی بہاریں ہیں چمن میں
گلوں میں رنگ ہے باقی نہ بُو ہے

ڈبویا نا خدا نے جو سفینہ
کناروں کو اسی کی جُستجو ہے

جُدائی کی شکایت کر رہا ہُوں
اسی سے جو ہمیشہ رُوبرو ہے

تیرے چہرے کی رنگت دیکھتا ہوں
یہ کس کی آرزوؤں کا لہُو ہے

جیسے تو پی رہا ہے میکدے میں
لہو ہے وہ لہو ہے وہ لہو ہے

تجھے اِک بار کیا واصِف نے دیکھا!
تجھے پھر دیکھنے کی آرزُو ہے



جو سُنا تھا سُنا دیا میں نے
یعنی سب کچھ بتا دیا میں نے

جس کو دیکھا گیا تھا صبحِ ازل
اِس کا جلوہ دکھا دیا میں نے

بجلیوں کو مچلتے جب دیکھا
آشیاں خود جلا دیا میں نے

میں نے ہر سُو تمہارا غم پایا
یوں ترا غم بھُلا دیا میں نے

تیرے اشکوں کی بات کیا کہیے
ہر قدم خوں بہا دیا میں نے

سنگِ در خود تڑپ کے آ پہنچا
یونہی سر کو جھکا دیا میں نے

رازِ تسلیم جب کھلا واصِف
نقشِ ہستی مِٹا دیا میں نے



مجھ کو مجھ سے جُدا کیا تُو نے
میرا بن کے یہ کیا کیا تُو نے

میرے آنسو بھی مجھ سے چھین لیے
اس قدر غم عطا کیا تُو نے

اب طلب کی طلب نہیں مجھ کو
نقشِ فانی فنا کیا تُو نے

چند لمحوں میں رات ختم ہوئی
صبحِ خنداں یہ کیا کیا تُو نے

تیری چاہت میں دُور جا نِکلا
ما سوا ماورا کیا تُو نے

آج واصفؔ نے کہہ دیا اس کو
بخدا با خدا کیا تُو نے



مستئ عرفان ہی ہستی کا میری ناز ہے
آنکھ کا ہر ایک پردہ اِک جہانِ راز ہے

لُٹ گئی طرزِ فغاں رنگِ وفا اڑنے لگا
چُپ ہُوا بلبل کہ گل محوِ خرامِ ناز ہے

مے کشو جھومو کہ اب آئی بہارِ جاوداں
پھر وہی جوشِ جنوں ہے بے خودی کا ساز ہے

قافلہ ہے منتظر ہوٹل میں بے جاں ہے پڑا
میرِ ملّت کی طبیعت کیوں ہوئی ناساز ہے

ملک و ملّت کی نگہبانی کریں اہلِ جنوں
عقل خود بیں، خود نما، خود کار و حیلہ ساز ہے

اب جہانِ رنگ و بُو میں انقلاب آنے کو ہے
پھر کسی محمود کا ہی منتظر ایاز ہے

طور سہما ہے کوئی موسیٰؑ قریب المرگ ہے
ڈر گیا خیبرؓ کہ آئی دور کی آواز ہے

کہہ گیا واصفؔ جنوں میں بات کہنے کی نہ تھی
راز کے سینے میں پنہاں سینۂ ہمراز ہے



تو عبادت زباں سے کرتا ہے
دل عبادت فغاں سے کرتا ہے

بے حسی حاصلِ مراد تری
بات تو کس گماں سے کرتا ہے

مجھ کو تعلیم دے رہا ہے تو
بات میری زباں سے کرتا ہے

تیری دُنیا ہی دین ہے تیرا!
فیصلہ بے نشاں سے کرتا ہے

یہ مجسّم ہی سیفِ قاطع ہے
مشغلہ بے زباں سے کرتا ہے

تیری ہستی کا راز ہے پیسہ
سامنا نیستاں سے کرتا ہے

کیا بتاؤں کہ کون ہے واصفؔ!
بات کس کے جہاں سے کرتا ہے

غم میں ڈوبے چاند ستارے
رات کا طوفاں دور کنارے

تم کیا جانو، تم کیا سمجھو
جیت کے بازی ہم کیوں ہارے

جل میں آگ لگائی کس نے
آنکھوں سے ٹپکے انگارے

پھاڑ کے پھینکا چاکِ گریباں
یار کی خاطر دار پہ وارے

ڈگمگ ڈگمگ ناؤ ڈولے
لے ڈوبیں گے کھیون ہارے

اِس دُنیا میں کون کسی کا
اپنے ہی بیگانے سارے

شیخِ حرم کیسا ہے واصفؔ
میخانے میں رات گزارے

شبِ غم ہے کہ کوہِ گراں ہے!
سکوتِ دو جہاں محوِ فغاں ہے

وہی میں ہوں وہی کل کا سماں ہے
بہر سو رقصِ جانِ ناتواں ہے

تمھارے نام سے رنگیں ہوئی ہے
تمہیں کیا یہ ہماری داستاں ہے

مرے دل میں یا میرے غیر کے گھر
خُدا رکھے سلامت تو جہاں ہے

مری جاں تو سحر ہے یا قیامت!
ترے آنے کا ہر لحظہ گماں ہے

جہانِ رنگ و بُو میں قید کر کے
ستم ہے پُوچھتے ہو تو کہاں ہے

ترے فیضِ کرم سے آج واصفؔ
حریمِ لامکاں کا رازداں ہے

ظلمتِ شب میں ترے وعدے چراغاں کر گئے
اشکہائے بے بسی منزل کو آساں کر گئے

وائے نادانی کیا اِن کے تغافل کا گلہ
منفعل ہو کے وہ ہم کو بھی پشیماں کر گئے

آزمایا ہم غریبوں کی وفا کو بار بار !
گاہے مورِ ناتواں گاہے سلیماں کر گئے

ہم نے پہچانا کہ ہیں خود ہی زلیخائے جہاں
ماہِ کنعاں کر گئے پابندِ زنداں کر گئے !

ہم نے واصفؔ دیکھ لیں تقدیر کی رعنائیاں
اِک بُتِ کافر کے وعدے یوں مسلماں کر گئے



اب بیت گیا وعدے کا دن اب رات جُدائی کی آئی
ہر اشک تیری تصویر بنا، میں کیسے کہوں تو ہرجائی

یہ تیرے کرم کا صدقہ ہے یہ تیری نظر کا ہے جادو
ہے دل میں ترا سودا جب سے کہتے ہیں مجھے سب سودائی

ہر سانس میں تیرا نام لیا ہر بار پکارا ہے تجھ کو !
ہے یاد تری نس نس میں بسی تو ملجائی تو ماوائی

اِک عمر تری راہوں میں چلے ہر گام پہ تیرے دیپ جلے
رستے نہ کٹے، لمبے تھے بڑے، لیکن نہ طبیعت گھبرائی

واصفؔ کو ملا ہے رازِ بقا اب خاک نشیں ہونا ہی پڑا
جب فیضِ نظر مولا کا ہوا، کہتے ہیں مجھے سب مولائی

فدا کی ہے تری راہ میں فنا کی
مری ہستی مصیبت تھی دوا کی

تجھے ہم ماورا سمجھے ہوئے ہیں
عبادت ہے محبت ماورا کی

ندامت سے مرا سر جھک گیا ہے
مجھے حاجت ہوئی جب بھی دعا کی

نظامِ دو جہاں برہم ہوا ہے
نگاہوں نے ذرا سی اِک خطا کی

وفا مشکل تھی سو رب نے ہمیں دی
جفا آسان تھی تجھ کو عطا کی

زمانے کا ہے ڈر واصفؔ وگرنہ !
ہے اِن کی بات میں شوخی بلا کی

ترے خیال نے بخشی تھی جو خوشی نہ رہی
تمھارے غم میں جو شامل تھی دلکشی نہ رہی

بڑے قریب سے دیکھی تھی ہم نے صبحِ امید
قریب تر ہوئے جب ہم وہ روشنی نہ رہی

تم اپنے عہدِ جوانی کو رو رہے ہو مگر
ہم اپنے حال پہ روتے ہیں زندگی نہ رہی

بڑے وثوق سے ہم میکدے میں آئے تھے
نگاہِ ساقی جو اٹھی تو تشنگی نہ رہی

ہزار کہیئے کہ یہ آگ دل لگی میں لگی !
جب آگ لگ گئی دل میں تو دل لگی نہ رہی

وطن وطن تھا مرے ساتھ جو ہوا سو ہوا
دیارِ غیر میں کیا آبرو رہی نہ رہی

وہ آرہے ہیں، وہ آتے ہیں آنے والے ہیں
یہ اور بات کہ آنکھوں میں جان ہی نہ رہی

طلب طلب ہے مگر دور بد نصیب سا ہے
کہ خواجگی تو رہی بندہ پروری نہ رہی

مری نوشت میں تھی خاکِ دو جہاں ورنہ
تمھارے فیضِ کرم میں تو کچھ کمی نہ رہی

محیط تھی مری ہستی پہ وہ نگاہِ کرم
بنی تھی بات مگر تا بہ کے، بنی نہ رہی

وہ ایک بات کہ جس پر نثار تھا واصفؔ
وہ بات جانِ تمنّا کو یاد ہی نہ رہی



مستی مئے عرفان کی کم ہو نہیں سکتی
بے کیف کبھی وادئ غم ہو نہیں سکتی

لیلیٰ کا فسوں کہیئے کہ وحشت کا تقاضا
ویرانوں کی رونق کبھی کم ہو نہیں سکتی

کچھ پایا ہے یا کھویا ہے سب تیری عطا ہے
ہم خوش ہیں کہ توصیفِ کرم ہو نہیں سکتی

جن راہوں سے ہم گزرے چراغاں ہی کیا ہے
پروانوں کی راہ، راہِ عدم ہو نہیں سکتی

اعلانِ انا الحق سے کھلا راز یہ واصفؔ
واصل جو کرے موت ستم ہو نہیں سکتی!

مرحبا حسنِ شانِ یکتائی
اپنی صورت کا آپ شیدائی

اے خوشا ذوقِ بزم آرائی
خود تماشا و خود تماشائی !

کاسۂ چشم تھا تہی کب سے
آپ آئے تو آنکھ بھر آئی

اشکِ فرقت میں بارہا دیکھا
کیا قیامت ہے وصلِ ہرجائی

غیر کے پاس تذکرہ میرا
یاد میری تجھے کہاں آئی !

ھُو کا عالم ہے سو چکا عالم
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

آرزوئے کمالِ واصفؔ کو
کوئے جاناں میں سر کے بل لائی

ہے ابھی تک جو سفر میں وہ میری منزل سہی
جو نگاہوں میں عبث ہے وہ میرا حاصل سہی
تو نہیں تو کیا ہمارے واسطے کچھ بھی نہیں
یاد ہی تیری مری جاں گرمیٔ محفل سہی
پا لیا ہے سب خرد مندوں نے رازِ زندگی
ہم گریباں چاک اپنے آپ ہی قاتل سہی !
تیری جانب میں نے دیکھی ہے زمانے کی نگاہ
میرے رستے میں مری اپنی نظر حائل سہی
کشتیوں کے واسطے گرداب ہی گرداب ہے
ناخدا کے واسطے شادابیٔ ساحل سہی !

مرے پہلو میں شاید دل نہیں ہے
کہ اب اشکوں میں خوں شامل نہیں ہے

تلاشِ ناخدا مقصد ہے میرا
مرے پیشِ نظر ساحل نہیں ہے

نظر محجوب ہو جاتی ہے ورنہ!
یہاں پردہ کوئی حائل نہیں ہے

یہ شمع جل رہی ہے یا پتنگا
وہ کیا جانے جو خود واصل نہیں ہے

ہر اِک تعمیر کی تخریب ضد ہے
تری منزل مری منزل نہیں ہے

ہماری خاک سے بھی بدگماں ہو
ترے سینے میں سِل ہے دل نہیں ہے

کمالِ حُسن ہے آئینہ سازی
ہمارا عشق ہی کامل نہیں ہے!

کہا ساقی نے واصفؔ کو بُلاؤ
کریں کیا گرمیٔ محفل نہیں ہے



قدم قدم تیری راہوں میں گو چراغ جلے
ہمارے دل میں تری حسرتوں کے داغ جلے

اگر بہار یہی ہے تو پھر خزاں اچھی
کھلے ضرور مگر کھل کھلا کے باغ جلے

یہی ہے حاصلِ ہستی یہی ہے شمعِ مراد
پتنگے دے کے تری بزم کا سراغ جلے

حیاتِ نو کا ہے پیغام یا کہ حشر کا دن
کہ دل جلا ہے بدن جل گئے ایاغ جلے

چلے تھے یار کئی ساتھ آخرش دیکھا!
کہ دل جلے تو ملے، نہ ملے دماغ جلے

تمہاری یاد میں جل جل کے جل گیا واصفؔ
چراغ بن کے انہیں حسرتوں کے داغ جلے

انہیں بھی ہماری خبر ہو گئی ہے !
بڑی بات تھی مختصر ہو گئی ہے

محبت نہیں ہے تو یہ اور کیا ہے
تری آنکھ بھی آج تر ہو گئی ہے

ترا غم رہا زندگانی کا ساتھی
مسرت سے اپنی بسر ہو گئی ہے

ذرا تو نے اپنی نگاہوں کو بدلا !
یہ دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی ہے

کیا آج واصفؔ نے سجدہ صنم کو
یہ لغزش نہ ہوتی مگر ہو گئی ہے



آدمی کا آدمی شیدا ملے
کون کس کے خون کا پیاسا ملے

انجمن آرائیاں ہیں چارسُو
شہر میں ذوقِ نظر تنہا ملے

آسمان زیرِ قدم آئے تو کیا!
دِل کی دُنیا میں کوئی رستہ ملے

مل سکیں ارض و سما لیکن کہاں
ڈال سے ٹوٹا ہوا پتّا ملے

نام جن کا ذہن میں آتا نہیں
اِن کا ہی چہرہ ہمیں ہر جا ملے

آج واصفؔ کا نشیمن جل گیا
کل یہی گلشن نہیں جلتا ملے

مری ہستی عبادت ہو گئی ہے
مجھے ان سے محبّت ہو گئی ہے

تیرے آنے سے پہلے تھی قیامت
تم آئے تو قیامت ہو گئی ہے

سکونِ دل سے اس کا واسطہ کیا
تری جس پر عنایت ہو گئی ہے

سراغِ زندگی بخشا ہے جس نے
اِسی غم سے عقیدت ہو گئی ہے

نہیں ہے دخل کچھ تیری جفا کا
یونہی رونے کی عادت ہو گئی ہے

وہ آئے غیر کو لے کر لحد پر
مصیبت پر مصیبت ہو گئی ہے

وہ کہتے ہیں کہ واصفؔ مر چکا ہے
مبارک ہو شہادت ہو گئی ہے

یار کو اشکبار دیکھا ہے
رازِ دل آشکار دیکھا ہے!

جس نے پایا ہے نقشِ پائے ناز
سر وہی سوئے دار دیکھا ہے

دیدہ گریاں و سینہ بریاں
حُسن کا شاہکار دیکھا ہے

چشمِ ساقی میں ڈوب کر ہم نے
قلزمِ بے کنار دیکھا ہے

بے نیازِ وفا کو دُنیا نے
محوِ صد انتظار دیکھا ہے

دامنِ صبر اب کہاں واصفؔ
ہر رگِ تار خار دیکھا ہے!



ہر ذرّہ ہے اک وسعتِ صحرا میرے آگے
ہر قطرہ ہے اک موجۂ دریا میرے آگے

اک نعرہ لگا دوں کبھی مستی میں سرِ دار
کعبہ نہ بنے کیسے کلیسا میرے آگے

وہ خاک نشیں ہوں کہ میری زد میں جہاں ہے
بل کھاتی ہے کیا موجِ ثریا میرے آگے

میں ہست میں ہوں نیست کا پیغام مجسم
انگشت بدنداں ہے مسیحا میرے آگے

میں جوش میں آیا تو یہی قلزمِ ہستی
یوں سمٹا کہ جیسے کوئی قطرہ میرے آگے

لے آیا ہوں افلاک سے ملّت کا مقدّر
کیا کیجئے مقدور کا شکوہ میرے آگے

اُستادِ زماں فخرِ بیاںؒ کی ہے توجّہ
غالبؔ کی زمیں کب ہوئی عنقا میرے آگے

واصفؔ ہے میرا نام مگر راز ہُوں گہرا
ذرّے نے جگر چیر کے رکھا میرے آگے



تُو کرے ستم ہے ستم کرم
تو صنم ہری میں ہری صنم
من و تو سے بحث نہیں مجھے
ترا غم ہوا ہے مرا ہی غم
ترے جلوہ ہائے قدیم نے
کیا ہر حدوث کو ہے قدم
کہ نہاں عیاں ہے عیاں نہاں
ہمہ آئینم ہمہ صُورتم
تیری یاد میری نماز ہے
میرا سر جھکا ہے صنم صنم
تیری زلف ہائے دراز کا
میں ایازِ ناز بنا ہوں خم!

تیرے میکدے کا میں راز ہوں
تیرے میکشوں کا میں جامِ جم
ہے فنا بقا کی کہاں خبر
کہ جنم ہی موت کا ہے جنم
یہ تیرے کرم کا ہے فیصلہ
کہ میں شاہبازِ قلندرم

میں وہی ہوں واصفِ بے خبر
کہ نہ کم نہ بیش نہ بیش نہ کم

رِندِ مولیٰ کیسے کاٹیں شامِ غم
مے کشی خوباں پرستی جامِ جم
حُسنِ اوّل عاشقِ خود جلوہ گر
ایں جہاں آئینۂ روئے قدم
خویش را بر خویش شیدا کردہ ای
من مثالِ رنگِ گل محوِ منم
مستیٔ عرفاں مری ہستی کا راز
رقصِ بسمل، سازِ ہستی دیدہ ام
وہ ہوئے، میں ہوا کہ آپ بھی
ہیں صنم گر بھی محوِ رنگِ صنم
شرحِ رسمِ عاشقی ہے کیا
چشمِ تر، آہ، سوزشِ پیہم

یادِ اُو، جُز دیدِ اُو یادِ دگر
یا ملے بت خانہ یا ٹوٹے صنم
نورِ مطلق خود تجلّی کا شکار
خود چھپے خود پائے خود کو ہر قدم

واصفِ بے نام و نسبت کا نہ پُوچھ
نامِ مولیٰ مل گیا اس کو قلم



دل ان سے جو مانگا تو پشیمان ہوئے ہم
نادان تھے، نادان تھے نادان ہوئے ہم
ہم تجھ کو دکھا دیتے خدائی کا تماشہ
سو باتوں کی اک بات کہ انسان ہوئے ہم
جب سے تری چوکھٹ پہ جھکایا ہے جبیں کو
ہم رند بنے، مستِ عرفان ہوئے ہم
ہر چہرے میں آتا ہے نظر اپنا ہی چہرہ
خود آئینہ خود دیدۂ حیران ہوئے ہم
یوں دل میں لئے پھرتے ہیں تصویر تمہاری
جیسے کسی کعبے کے نگہبان ہوئے ہم
وعدہ ہے ملاقات کا اب آنا پڑے گا
اے جان تری یاد میں بے جان ہوئے ہم

اِس پردۂ ہستی کو کیا چاک تو دیکھا
اِنسان کہاں مظہرِ یزداں ہوئے ہم

پہچان گئے تجھ کو زلیخائے زمانہ
بدنام ہوئے یوسفِ کنعاں ہوئے ہم

اِک بُت کی پرستش میں کُھلا راز یہ واصفؔ
کافر جو ہوئے حافظِ قرآں ہوئے ہم



میں تو ہوا ہوں گردشِ شام و سحر میں گُم
منزل کو کیا ہوا، وہ ہوئی کس سفر میں گُم!

کیوں گم ہوئی نگاہ تری کائنات میں
جب سے مری نظر ہوئی تیری نظر میں گُم

ساحل پہ آ لگا ہے، میرے ناخدا کی خیر
اپنی بلا سے کشتی ہوئی کس بھنور میں گُم

انجامِ آرزو ہے فقط مرگِ آرزو
دل سے نکل کے بات ہوئی خود اثر میں گُم

محشر سے کم نہیں ہے یہ ہنگامِ زندگی
پھرتے ہیں لاکھوں آدمی تنہا نگر میں گُم

یہ اور بات تجھ کو ہماری خبر نہ ہو
ہم ہو چکے ہیں کب سے تیری رہگذر میں گُم

اب صبحِ نو سے خاک توقع کرے کوئی
جب آفتاب ہو گیا گردِ سفر میں گم

اُڑنے کے بعد آپ خلاؤں میں کھو گئے
اچھے رہے ہیں کہ رہے بال و پر میں گُم

واصف وہ ایک بات جو لب تک نہ آ سکی
وہ بات ہو گئی ہے مری چشمِ تر میں گُم



کیا ملے واصف کی مستی کا سراغ
چشمِ ساقی نے کیا روشن چراغ

ہر قدم پہ اک نئی منزل ملی
گل کھلے ہیں یا ہمارے دل کے داغ

خود ہوا ہے جلوہ گر حسنِ ازل!
ہے جنوں کی سلطنت، عاجز دماغ

مستیِ رنداں سے جھوم اٹھی زمیں
آسماں ہے سرنگوں جیسے ایاغ

دل میں آنکھیں ہیں تو ہے آنکھوں میں دل
باغ میں ہیں پھول اور پھولوں میں باغ



ٹکرا گئی کسی کی نظر سے مری نظر
گویا شبِ فراق سے آکر ملی سحر

راہبر ملا نہ راہ میں کوئی بھی ہمسفر
پوچھو نہ کس طرح سے ہوئی زندگی بسر

ہر مرحلے پہ ذہن میں یہ کشمکش رہی
ہستی سے ہو مفر کہ مراحل سے ہو مفر

ہم کو خودی نے اپنا خدا ہی بنا دیا!
جب بے خودی ملی تو گرے پائے یار پر

وارث ہے میکدے کا وہی رندِ تشنہ کام
جس کی نظر ہو گردشِ لیل و نہار پر

وہ دن کہاں گئے کہ محبت تھی زندگی
اب وہ نظر کہاں ہے کہاں دل کہاں جگر

آوارگانِ عشق نے منزل کو پا لیا
راہوں میں سر پٹختی رہی عقل عمر بھر

تاثیر ڈھونڈتی تھی کبھی آہِ نارسا
اب ڈھونڈتا ہے آہ کو روتا ہوا اثر

دل پر تری جفا کے سوا اور بھی ہیں داغ
تاروں کی روشنی بھی رہی زینتِ قمر

واصف کو کس نے ہوش سے بیگانہ کر دیا
فطرت جنوں پسند تھی لیکن نہ اس قدر



کل کی بات سُناؤں آج
اچھا ہو مر جاؤں آج

جھانک میرے آئینۂ دل میں
اِک چہرہ دِکھلاؤں آج

تیری زُلف کے بادل چھائے
میں بارش برساؤں آج

ہجر کی رات ستارے روشن
چاند کہاں سے لاؤں آج

تڑپ تڑپ کے یہ دن آیا
تجھ کو بھی تڑپاؤں آج

میرے آنسو انگارے ہیں!
جل میں آگ لگاؤں آج

میرے گھر من موہن آئے
دیپ پہ دیپ جلاؤں آج

سکھیاں سنگ کئی جُگ بیتے
ساجن کے گھر جاؤں آج

واصفؔ گہرا راز کسی کا
میں کیسے بتلاؤں آج

چلتے چلتے رک گئی نبضِ حیات
بے کسی کی داستاں ہے کائنات

ماہِ کامل کا تصوّر بھی نہیں
چھا گئی دُنیا پہ گویا کالی رات

سُرخرو ہے کس کا تُو پی کر لہُو!
دیکھنے کی ہے، نہیں کہنے کی بات

پس گئے دہقان و مزدورِ وطن
اب بھی پُجتے ہیں یہاں لات و منات

لب پہ ہے فرعون کے نام خدا
دین کا دامن ہے اب دُنیا کے ہات

ہے جنوں کے ایک رُخ پھرنے کی دیر
شاطرانِ ہوش کی بازی ہے مات

کون ہے واصفؔ کہ اُلجھے آپ سے
دل مرا ہے آپ ہی کی کائنات

روتے روتے گزار دی ہے رات
ایک مفلس کی زندگی ہے رات

دن کو بھی رات کا خُمار رہا!
مے پرستی میں کٹ گئی ہے رات

صُبحِ امید کی تلاش کہاں
صُبح ہوتے ہی چھا گئی ہے رات

تیری آنکھوں کی مستیوں کی قسم!
میں نے آنکھوں میں کاٹ دی ہے رات

مشرق و مغرب و شمال و جنوب
چار سُو پھیلنے لگی ہے رات

دن کو واصفؔ کا دل نہیں لگتا
دل لگا ہے کہ دل لگی ہے رات

مجھے منظور کب تھی زندگی تجھ سے جدا ہو کر
ڈبویا مجھ کو تیرے درد ہی نے آسرا ہو کر

کوئی خطرہ نہیں اب قافلے والوں کے لٹنے کا
کوئی رہزن نہ آئے گا مگر ہاں رہنما ہو کر

سفینہ بھی مرا، ساحل بھی میرے، موج بھی میری
شکایت سن کے میری ناخدا بولا خدا ہو کر

نوشتہ ہے میری تقدیر کا یا آنکھ کا دھوکا!
کہ اپنا یار ملتا ہے مگر اب دوسرا ہو کر

خطا واروں پہ سنتے ہیں نگاہِ لطف رہتی ہے
ملا کیا حضرتِ ابلیس کو یاں بے خطا ہو کر

نظر سے دور ہو کر ہم قریبِ جان رہتے ہیں
مرے دل نے پکارا ہے مجھے تیری صدا ہو کر

ہمیں تڑپا کے بھی ان کو تڑپنا آگیا واصف
وفا کرتے ہیں وہ ہم سے بظاہر بے وفا ہو کر

مجھ کو تیری تلاش کیا ہے اب
تو مجسّم ہی میں بنا ہے اب

تو ورائے گماں ہی اچھّا ہے
یہ بھی میرا گماں ہوا ہے اب

عشق سے حسن، حسن سے ہے عشق
جس نے رب رب کیا ہوا ہے اب

منظرِ دل ہوا ہے پھر کس کا!
زیست کا نقش مٹ چکا ہے اب

آج انوار ہی کی بارش ہے
شامِ غم کا دیا بجھا ہے اب

بخدا اب خدا کا نام نہ لوں
جھوٹ سن سن کے تھک چکا ہوں اب

قیس لیلیٰ بنا نہ قیس رہا
راز مدّت میں آ کھلا ہے اب

ذکرِ لیلیٰ بھی غیرِ لیلیٰ ہے
چھوڑ غزلوں میں کیا رکھا ہے اب

مست میں ہوں کہ تو ہے مستی میں
مجھ کو اتنا بھی ہوش کیا ہے اب

رند نے آنکھ کھول کے رکھ دی
شیخ بھی رقص کر رہا ہے اب

وہ ہوئے مائلِ کرم خود ہی
یونہی تو کیا سے کیا ہوا ہے اب

دار کیا ہے بقا کا پہلا قدم
میکدہ کیا ہے، کربلا ہے اب

آج واصف بڑا ہی نادم ہے
یونہی دامن میں چھپ گیا ہے اب

تمہاری یاد میں ہر ذرّۂ دل، دل نظر آیا
سکونِ دل کا ملنا اب بڑا مشکل نظر آیا

طوافِ کوئے جاناں زیست کا حاصل نظر آیا
ہٹے اس سنگِ در پہ سر، اسی قابل نظر آیا

تلاطم خیز طوفانوں سے ٹکراتے رہے ہردم
ڈبو دی ہم نے خود کشتی جونہی ساحل نظر آیا

نگاہِ ناز کے جلوؤں کی رعنائی معاذاللہ
کوئی بسمل نظر آیا، کوئی گھائل نظر آیا

جہانِ عشق میں اب زندگی پھر لوٹ کر آئی
کوئی منصور مستی میں سوئے مقتل نظر آیا

جبینِ شوق نے خود آستانِ حُسن کو ڈھونڈا
کمالِ حُسن سے ہی عشق ہے کامل نظر آیا

تمہاری آنکھ سے دیکھا تمہیں تو اُٹھ گیا پردہ
ہماری آنکھ کو جلوہ تیرا حائل نظر آیا

نظامِ میکدہ واصِفؔ بدلنے کے قریب آیا
اندھیری رات میں ہم کو مہِ کامل نظر آیا

میں کہاں حُسن آشنا ہوتا !
تو ہی پردے میں چُھپ گیا ہوتا

یہ نہ کہتے ہے داستاں اچھی
حالِ دل آپ نے سُنا ہوتا

بند کلیوں کو توڑنے والے
صبر کر لیتے گُل کِھلا ہوتا !

موت روشن ہے زندگی تاریک
کاش پروانہ کہہ گیا ہوتا !

خاک آئی بہار گلشن میں
آپ ہوتے تو کچھ مزا ہوتا

شکر ہے یہ کہ بے نیاز ہے تو
شکر ہم سے کہاں ادا ہوتا

دل واصِفؔ کا کیا بہلنا تھا
آپ ہوتے یا آپ سا ہوتا

تو ہے تیری آرزو ہے میں کہاں
ہر طرف بس تو ہی تو ہے میں کہاں
یہ حقیقت ہے یا اک وہم وخیال
آئینہ ہی رو برو ہے میں کہاں

دیدۂ حیراں سنبھل گُل نے کہا
یہ جمالِ رنگ و بو ہے میں کہاں
پیکرِ ہستی میں ہستی چھپ گئی
مُجھ کو میری جستجو ہے میں کہاں

عِشق اوّل ہے یا پہلے حُسن ہے
دل نظر کی گفتگو ہے میں کہاں
اِک جہاں ڈھونڈا کہ تھا یومِ وصال
شامِ ہجراں چار سُو ہے میں کہاں

سو گیا واصفؔ کہ گردش تھم گئی !
ہاتھ میں ان کے سبُو ہے میں کہاں

بار بار آزما کے چھوڑ دیا
اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
چشمِ ساقی نے مَست کر ڈالا
قُلزمِ مے پلا کے چھوڑ دیا
ہم یہ سمجھے کہ رُوبرو وہ ہیں
آئینہ یوں دکھا کے چھوڑ دیا
نام اپنا لیا مگر مجھکو !
میرا قصّہ سُنا کے چھوڑ دیا
ناخدا نے سفینۂ اُمید
عین طوفاں میں لا کے چھوڑ دیا

یا علیؑ کہہ کے اس کو اپنایا
اس نے واصفؔ بنا کے چھوڑ دیا

دل کے اندر کبھی ذرا دیکھا
پرتوِ حُسن جا بجا دیکھا

اب خدا آدمی نہ ہو جائے
ہم نے ہر آدمی خدا دیکھا

کس نے مِلّت کی توڑ دی تسبیح
دانہ دانہ جُدا جُدا دیکھا

خار زاروں کو سرخرو پایا
گُلِ خوش رنگ زیرِ پا دیکھا

واعظِ شہر بدگماں نکلا
ہم نے رِندوں کو باخدا دیکھا

آدمیّت کی لاش پر ہم نے
رقصِ ابلیس برملا دیکھا

یہ بھی اعجازِ عشق ہے واصِف
جا بجا اس کا نقشِ پا دیکھا !

غزل کیا ہے فقط اشکوں کی مالا !
مذاقِ شعر نے بس مار ڈالا !

مٹا دیتے زمانے بھر کے غم
غمِ جاناں نے ہر غم میں سنبھالا

پڑے ہم اِن کے پاؤں پہ تو بولے
پڑا ہے آج کِس آفت سے پالا

نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ ہستی
یہ سرمایہ ہے اپنا دیکھا بھالا

کمالِ سنگِ در کہیئے جبیں کو
نگاہ کو جانیئے زندہ جوالا

کسی کے راز کا دل رازداں ہے
کسی کے اِذن کا ہے لب پہ تالا

کسی کی زُلف ہے تاریکیٔ شب
کسی کے رُخ سے ہوتا ہے اُجالا

کسی کی یاد ہے روئیدادِ ہستی
کسی کا نام ہے عُنوانِ بالا
کسی کا ہاتھ ہی دستِ شفا ہے
کِسی کا دُکھ بنا ہے دل کا چھالا

کوئی چاہے تو یہ دُنیا ہے جنّت
کوئی رُوٹھے تو مُنہ دوزخ کا کالا

فنا سے ہے بقا آصف نے دیکھا
یہ ہستی کیا ہے اِک رنگین جالا

ایک وجہِ قرار باقی ہے
آپ کا انتظار باقی ہے

اپنی ہستی پہ اختیار نہیں
موت پر اختیار باقی ہے

دیکھنا اپنے بس کی بات نہیں
ہاں مگر ذکرِ یار باقی ہے

اپنے دامن میں کوئی تار نہیں
سانس کا ایک تار باقی ہے

تُجھ سے جو دُور ہے وُہی فانی
جس کو ہو تُجھ پیار باقی ہے

کوئی دامن نہیں کہ پھیلا دوں
دامنِ داغدار باقی ہے

دَور ہی بے وفا تھا آپ نہ تھے
آپ کا اعتبار باقی ہے

کارواں کوچ کر گیا واصفؔ
کارواں کا غبار باقی ہے!

مرا وجود کیا تھا تیرے پیار سے پہلے
خزاں رسیدہ چمن تھا بہار سے پہلے!

شبِ سیاہ میں تاروں کی روشنی کب تھی
چراغ جلتے ہیں کب انتظار سے پہلے

کسی کے دم سے ہے ہستی میں اعتماد کا رنگ
میں خود گریز تھا اِس اعتبار سے پہلے

طلب ہے جانِ طلب، اِس کو جاں نثار نہ جان
زمانہ مر گیا اِس جاں نثار سے پہلے

وہ پہلی بار مِلا جب مجھے خیال ہُوا
میں جانتا تھا اسے پہلی بار سے پہلے

وہ آدمی تھا کہ جھونکا تھا بادِ صرصر کا
اُڑا کے لے گیا رنگت قرار سے پہلے

گذر نہ ہوش سے الفت میں جلد بازی نہ کر
مذاکرات بھی کر اپنے یار سے پہلے

تعینات میں رہ کر جنوں کی بات نہ کر!
نکل خرد کے گریبان کے تار سے پہلے

ازل سے بارِ امانت ہمیں مِلا واصف
ہزار بار تجھے اِس ایک بار سے پہلے

بدلے ہوتے حالات سے ڈر جاتا ہوں اکثر
شیرازۂ ملّت ہوں بکھر جاتا ہوں اکثر

میں ایسا سفینہ ہوں کہ ساحل کی صدا پر!
طوفان کے سینے میں اُتر جاتا ہوں اکثر

میں موت کو پاتا ہوں کبھی زیرِ کفِ پا
ہستی کے گماں سے بھی گزر جاتا ہوں اکثر

مرنے کی گھڑی آئے تو میں زیست کا طالب
جینے کا تقاضا ہو تو مر جاتا ہوں اکثر

رہتا ہوں اکیلا میں بھری دنیا میں واصف
لے نام مِرا کوئی تو ڈر جاتا ہوں اکثر

میرے وطن کی خیر مری انجمن کی خیر
کرگس کے اژدہام کی زاغ و زغن کی خیر

برقِ تجلّیات کی رنگِ چمن کی خیر
جلتے ہوئے نشیمن، سرو سمن کی خیر

کس بانکپن سے دستِ قضا نے کیا شکست
اِس جامِ آرزو کی، اسی بانکپن کی خیر

صحرا کی وسعتوں میں صبا بھی سموم ہے
جس کا وطن اُجڑ گیا اِس بے وطن کی خیر

دیکھا ہے ہم نے غم سے سیاہ پوش آفتاب
کیسے کہیں کہ صبح کی پہلی کرن کی خیر

اب کارواں کو ڈھونڈتی ہے گردِ کارواں
رہبر بھی کہہ رہا ہے کہ ہو راہزن کی خیر

سیّاسِ دہر نے جسے مفلوج کر دیا !
اِس نوجوان، مردِ جری، صف شکن کی خیر

اِک مختصر طلب ہے مری جاں بُرا نہ مان
کاغذ کا ہی سہی، ہو میرے پیرہن کی خیر

یہ آرزو کا خون ہے واصف بُرا نہ مان
آتی نہیں نظر مجھے چرخِ کہن کی خیر

اپنی خبر نہیں ہے تیرے انتظار میں
بس میں بہار ہے نہ خزاں اختیار میں

جو بدگماں تھے وہ ابھی بدگمان ہیں
جن کو تھا اعتبار وہ ہیں اعتبار میں

گلشن میں اپنا کون تھا ساتھی نہ آشیاں
رکھ لی قفس نے آبروئے فصلِ بہار میں

راہِ طلب میں ہم سے کوئی بھول ہو گئی
اغیار آ رہے ہیں نظر کوئے یار میں

مایوسیوں نے ساتھ دیا لامکاں تک
اُمید سو گئی تھی تیری راہ گزار میں!

بیباکی اور چیز ہے گُستاخی اور شئے
لازم ہے احتیاط، سو ہے مے گسار میں

واصفؔ جہانِ عشق میں سوداگری ہے جُرم
کب جیت کو خبر ہے جو ہے لطف ہار میں

غمِ زمانے کے اور جاں تنہا
تُم وہاں اور میں یہاں تنہا

تیری دُنیا میں اِک ہجُوم سہی!
ہم غریبوں کا ہے جہاں تنہا

ایسے رہبر کو راہ بَر مَت جان
چھوڑ آئے جو کارواں تنہا

برق بھی ساتھ جل گئی ہو گی،
جل نہیں سکتا آشیاں تنہا!

دعویٰ کیجے مگر دلیل کے ساتھ
ورنہ بے کار ہے بیاں تنہا

عقل کو محوِ گفتگو پایا
عشق دیکھا ہے بے زباں تنہا

چل دیئے سب حریف سُوئے عدم
رہ گئیں چارہ سازیاں تنہا

میں نہ ہوتا تو آئینہ رہتا
اپنی ہستی میں بے نشاں تنہا

اور واصِف کو کچھ نہیں درکار
ہاں تیرا سنگِ آستاں تنہا

جہاں پھیلے تیری یادوں کے سائے
ستارے بن کے آنسو جگمگائے

تمہاری بے رُخی کو خاک پروا
تیری محفل میں کوئی خاک آئے

وہ مُنہ کو پھیر کر کہتے ہیں مُجھ سے
تمہارا حال اب دیکھا نہ جائے

تیری یادوں کے رنگیں پھُول ہم نے
خمِ گیسُوئے دوراں میں سجائے

محبت ہو تو مسجُودِ ملائک
نہیں تو ہم سے بہتر چارپائے

گریباں کیا ہے کیا اِس کی حقیقت
مری وحشت سے صحرا خوف کھائے

انہیں سے پُوچھنے واصف چلا ہے
اِجازت ہو تو آؤں بن بُلائے

قتیلِ ناز ہوئے ہم کہ شہباز ہوئے
ہوئے تو خاک مگر ہم جہانِ راز ہوئے

نظامِ گلشنِ ہستی سنوارنے کے لئے
ہجومِ اشک بنے سجدۂ نیاز ہوئے

مثالِ برقِ تپاں خود جلے ہیں گلشن میں
گلوں کا رنگ بنے بلبلوں کا ساز ہوئے

دلیلِ قرب فقط ایک سجدۂ واجب
سجودِ شوق سے ہم آج سرفراز ہوئے

ہم اِن کے پاس گئے حرفِ آرزو بن کر
حریمِ ناز میں پہنچے تو بے نیاز ہوئے

اسیرِ زُلف ہُوا شانۂ حریمِ خیال
کہ رندِ مست بنے میکدے کا راز ہوئے

جمالِ ساقیٔ دوراں کہاں کہاں واصف
زہے نصیب کہ ہم نقشِ پائے ناز ہُوئے!

آپ آئے تو موت بھی آئی
آج دیکھیں گے ہم مسیحائی

جھومتا ہے نظامِ قلب و نظر
حُسن نے لی ہے آج انگڑائی

کاسۂ چشم تھا تہی کب سے
آپ آئے تو آنکھ بھر آئی

تیرے ذوقِ نظر کا کیا کہنا
میں تماشا ہوں تُو تماشائی

کاکلِ زندگی کے پیچ و خم
لے اُڑے تیرے غم سے رعنائی

میں نے ہر اشک میں تجھے دیکھا
کون کہتا ہے تجھ کو ہرجائی

منتظر ہے غریب خانۂ عشق
اس طرف بھی ہو جلوہ آرائی

پُرسشِ غم کو آ گئے واصف
آج اپنی بھی بات بن آئی

بہت بہکے مگر رندوں نے کی ہیں ہوش کی باتیں
ترے رُخسار و گیسو کی تری آغوش کی باتیں

جو خاموشی سے سجدے کر رہا تھا تیرے سائے کو
زمانہ کر رہا ہے اب اسی خاموش کی باتیں

نہ اب ہے تشنگی باقی نہ اب احساسِ محرومی
نہ اب فردا کی باتیں ہیں نہ اب ہیں دوش کی باتیں

ہمیں اب تو خبر اپنی نہیں پر ہوش ہے اتنا!
سنا ہے سُنی تھیں ہم نے اِک مدہوش کی باتیں

جوانی ہی نہیں باقی تو واصفؔ ذکر کیا کرنا
کہاں تک کیجیئے گا آپ اِس رُو پوش کی باتیں

بے نیازِ کفر و ایماں ہو گیا
بندہ پرور دل پریشاں ہو گیا

دامنِ گل چاک ، لالہ داغدار
کیا سے کیا رنگِ گُلستاں ہو گیا

نیم شب آہ و فغاں کے سامنے
مرحلہ آیا جو آساں ہو گیا

ظُلمتِ سُود و زیاں میں دن گیا
رات آئی تو چراغاں ہو گیا

تیرے در سے آشنا ہونے کے بعد
بے نوا واصفؔ غزلخواں ہو گیا

آسماں بھی جنوں کے زیرِ دام
سوچتی رہ گئی خردِ انجام!

اِس مُسافر کو کیا کہے کوئی
جس کو صحرا میں آگئی ہو شام

کہہ رہا ہے مرا نصیب ابھی
تیری زُلفوں کے سائے میں آرام

تیرے غم سے نہ مل سکی فرصت
ورنہ دُنیا میں اور بھی تھے کام

آدمی ساقی آدمی مستی!
آدمی مے ہے آدمی جام!

عمر ساری سفر میں بیت گئی
فاصلہ طے نہ ہو سکا دو گام

میں ترا آئینہ ہوں، دیکھ مجھے
میرے پہلو میں ہے بڑا ہنگام

اپنی منزل کوئی نہیں واصفؔ
ہم ازل تا ابد رہے بے نام



تو ہوا کس کے انتظار میں گم
ایک دُنیا ہے تیرے پیار میں گم

منزلیں راہ پر قرباں ہیں !
کارواں کیوں ہوا غبار میں گم

کس صفائی سے کر دیا کس نے
آشیاں ہی بھری بہار میں گم

دے گئے ہم کو کاروبارِ ذوق
خود ہوئے ذوقِ کاروبار میں گم!

جو زمانے کے راہبر تھے انہیں
کر دیا تو نے اعتبار میں گم

اپنی چھوڑو، کہو زمانے کی
بات یوں کر دی اختصار میں گم

بے قراری میں کھو گئی منزل
اور رہبر رہا قرار میں گم

کل ہوا میکدے میں گم مے کش
آج میخانہ مے گسار میں گم

آج وہ لوگ ہیں کہاں واصف
جو ہوئے تیری رہگزار میں گم!



مجھے تم سے محبّت، توبہ توبہ
یہ گستاخی یہ جرأت، توبہ توبہ

اُٹھا رکھا ہے سر پہ آسماں کو
مگر بارِ امانت، توبہ توبہ

چلا ہے شیخ میخانے کی جانب
مجھے کر کے نصیحت، توبہ توبہ

سلگتا ہے ابھی تک ذرّہ ذرّہ
ترے عاشق کی تربت، توبہ توبہ

سرِ بازار رُسوائی کے ڈر سے
ہُوئے عشّاق رُخصت، توبہ توبہ

بڑی مدّت کے بعد آنا ہُوا ہے
مگر جانے میں عُجلت، توبہ توبہ

نہ پوچھو کس لئے روتا ہے واصفؔ
"گناہوں پہ ندامت"، توبہ توبہ!

یہ تیری نوازش ہے عنایت ہے کرم ہے
زندہ ہوں یہ احسان تیرا کون سا کم ہے

شکوہ تو نہیں ہستی اگر وقفِ الم ہے
غمخوار نے مُنہ پھیر لیا مجھ سے ستم ہے

خود دار ہوں خود سر ہوں میں خود مست ہوں لیکن
تو سامنے آجائے تو سر آج بھی خم ہے

سب تیری فسوں کار نظر کے ہیں کرشمے
دارا ہے سکندر ہے نہ جمشید نہ جم ہے

تقدیر بدل جائے تو حاصل بھی ہے تقدیر
آغاز کی پیشانی پہ انجام رقم ہے

ایسی ہی اداؤں پہ تو مر جاتے ہیں ہم لوگ
زندہ ہوں کہ قاتل کو مری موت کا غم ہے

یادوں کی گزرگاہوں میں اُڑتے ہیں بگولے
سجدوں کا نشاں ہے نہ کوئی نقشِ قدم ہے

انداز قلندر کے نہ بے باک ہوں کیونکر
ہستی کا وجود اس کی نگاہوں میں عدم ہے

خالی تھی بڑی دیر سے یہ لوحِ زمانہ !
اب آہِ سحرگاہی کے ہاتھوں میں قلم ہے

سجدہ ہو تو میخانے کے دروازے پہ دل سے
ساقی کی نظر ہو تو یہی بابِ حرم ہے



تمہارے وعدے بہت ہم نے آزمائے ہیں
قدم قدم پہ ہزاروں فریب کھائے ہیں !

یہ اور بات کہ تجھ کو خبر نہیں میری
چراغ کس نے تیری راہ میں جلائے ہیں

ورائے دیر و حرم ڈھونڈنا پڑے گا انہیں
نکل گھروندوں سے جو راستے میں آئے ہیں

تمہاری زُلف بکھرتی تھی جن کے شانوں پہ
تمہاری بزم میں وہ لوگ اب پرائے ہیں

خوشی سے آج ستارے بکھیر دے واصف
وہ آج بامِ فلک سے اُتر کے آئے ہیں

بزمِ اِمکاں میں رہوں کون و مکاں تک دیکھوں
ایک آتا ہے نظر چہرہ جہاں تک دیکھوں

ہو گئیں عظمتِ انسان کی راہیں تاریک
ایک انسان کی میں راہ کہاں تک دیکھوں

حسرتِ دیدِ صنم حاصلِ عرفانِ صنم
دیکھنا چاہوں تو اِک اُجڑے مکاں تک دیکھوں

میرے افسانے سے ہے تیرا فسانہ قائم
چاہِ زنداں سے تیرے حُسنِ بیاں تک دیکھوں

مسکراہٹ تیرے ہونٹوں پہ مرے قتل کے بعد
حُسنِ معصوم تجھے حدِ گماں تک دیکھوں!

چشمِ آہو میں نہاں موجۂ قلزم پاؤں!
حلقۂ زلفِ سیاہ کوہِ گراں تک دیکھوں

دیکھ لوں حُسنِ ازل تاب کہاں ہے واصفؔ
حسنِ انساں سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں"

ان سے ہو روز ملاقات ضروری تو نہیں
ہو ملاقات میں کچھ بات ضروری تو نہیں

جام چھلکاتی ہو برسات ضروری تو نہیں
مے کشی رندِ خرابات ضروری تو نہیں

یوں تو ہر رات کی قسمت میں ہے سحر لیکن
ہاں مگر ہجر کی اِک رات ضروری تو نہیں

ہے کوئی پردہ تخیّل کے پیچھے پنہاں
حسن پابندِ حجابات ضروری تو نہیں

چشمِ ساقی کا تلطّف ہے مشیت واصفؔ
سب پہ یکساں ہوں عنایات ضروری تو نہیں

اِن کے رُخ پہ نگاہ کرتا ہوں
اپنی ہستی تباہ کرتا ہوں!
اب ندامت پہ ہی ندامت ہے،
ایک تازہ گناہ کرتا ہوں
گاہ قطرے میں دیکھتا ہوں بحر
کوہ کو گاہ کاہ کرتا ہوں
کیا گراں بار ہو گئی ہستی
موت سے ہی نباہ کرتا ہوں

ویسا چہرہ کوئی نہیں واصِفؔ
اپنے دل میں نگاہ کرتا ہوں!

نہ میں آیا نہ میں لایا گیا ہوں!
وہی "کُن" ہوں جو فرمایا گیا ہوں
میں ایسا گیت ہوں کہ ہر زباں سے
ہر اک انداز میں گایا گیا ہوں
حقیقت کُھل چکی اس بات کی اب
کہ تڑپا ہوں یا تڑپایا گیا ہوں
میری اپنی نہیں ہے کوئی صُورت
ہر اک صُورت میں دِکھلایا گیا ہوں
بہت بدلے میرے انداز لیکن
جہاں کھویا وہیں پایا گیا ہوں
وجودِ غیر ہو کیسے گوارا!
تری راہوں میں بے سایہ گیا ہوں

شبِ غم، سوزِ ہستی اور تری یاد
"کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں"

یہاں جلوے ہوئے حائل دید
خدا جانے کہاں لایا گیا ہوں

انھوں نے جب کہا واصفؔ کہاں ہے،
خجل ہستم کہ بے مایہ گیا ہوں



بلا عنواں فسانے ہو رہے ہیں!
بڑے دلکش ترانے ہو رہے ہیں!

نہ اب وہ ہیں نہ ان کی یاد باقی!
انہیں دیکھے زمانے ہو رہے ہیں

چراغاں کر گئے جو میری راتیں
انہیں کے دن سہانے ہو رہے ہیں

ہم آجاتے مگر ہم کیسے آتے
بہانے یہ پرانے ہو رہے ہیں

نظام الدینؒ کی بستی آ رہی ہے
کہ خسروؒ کے فسانے ہو رہے ہیں

ذرا ان کی سنو باتیں کہ واصفؔ
ٹھکانوں پر نشانے ہو رہے ہیں!

اب کہاں اجتناب کے دن ہیں
ساقیا یہ شراب کے دن ہیں

زُلف لہرائی کہ گھٹا چھائی
شوق کے احتساب کے دن ہیں

پھر جبیں سائی کر رہا ہے عِشق
حُسن کے اضطراب کے دن ہیں

اِن خرابوں میں جو خراب ہوا
اسی خانہ خراب کے دن ہیں

یہ ہے میخانہ و صنم خانہ
راہ کے انتخاب کے دن ہیں!

سُوئے میخانہ آ رہا ہے کوئی!
میکشو پیچ و تاب کے دن ہیں

رات جس بزم میں کٹی واصفؔ
اِسی محفل کے خواب کے دن ہیں

ہمارے پاس تھے کل تک جو زندگی کی طرح
بچا کے گذرے ہیں دامن وہ اجنبی کی طرح!

اب اعتبار کی حد سے نکل گئی ہے لگن
وہ دِل لگاتے ہیں ہر اک سے دل لگی کی طرح

وہ چاہتے ہیں انہیں ہم خُدا بنا ڈالیں
سلوک کرتے ہیں جو ہم سے آدمی کی طرح

نیا زمانہ، نئی روشنی، نئے انساں
جہاں سے اُٹھ گئی ہر رسم عاشقی کی طرح

ہمیں ملی ہے کسی کے لہُو سے آزادی
ہمارا خون بھی شامل ہو اب کسی کی طرح

نہیں ہے غم بھی مرا آپ ہی کے غم جیسا
مری خوشی بھی نہیں آپ کی خوشی کی طرح

وہ بات جس کے لئے غمزدہ تھے ہم واصفؔ
وہ بات بھول گئی ہے ہمیں ہنسی کی طرح

تجھے پایا ہے خود کو کھو گیا ہوں
بہت جاگا تھا میں اب سو گیا ہوں

مٹایا جس نے نقشِ وہمِ ہستی
اِسی پیکر کا سایہ ہو گیا ہوں

مرا ثانی نہیں ہے کوئی شاید
زمیں سے آسماں تک تو گیا ہوں!

مجھی سے پوچھتے تھے وہ کہاں ہے
بدل کر بھیس میں واں جو گیا ہوں

انہیں کے فیض سے لب کھل گئے ہیں
وگرنہ میں وہاں گم گو گیا ہوں

نہ وہ آئے نہ وہ آئیں گے واصفؔ!
مجھے جانے میں کیا ضد لو گیا ہوں!

جہانِ راز ہوں آہِ سحر ہوں
شبِ تاریک ہوں روشن قمر ہوں

مرا ہونا نہ ہونا ہے برابر!
حیاتِ جاوداں سے بے خبر ہوں

کسی میخانے کا ہوں ناز گویا!
قیامت ہوں کہ ساقی کی نظر ہوں

رواں ہوں رہنوردِ شوقِ منزل
مَیں دریا ہوں کہ ہستی کا سفر ہوں

کبھی پینا کبھی مست مے ناب!
کبھی گردش کبھی چوکھٹ پہ سر ہوں

میں ہوں بانگِ درائے صدا انا الحق
ہزاروں دار ہیں میں ایک سر ہوں

نہ مَیں واصفؔ غزالیؒ ہوں نہ رُومیؒ!
میں ناداں ہوں کہ دانائے دگر ہوں

تمہاری انجمن گرما گیا ہوں
نہ آتا میں مگر اب آگیا ہوں

پلائے ہیں مجھے ساقی نے وہ جام
نظامِ میکدہ پر چھا گیا ہوں

جنونِ باخبر کا راز بن کر!
خرد کی گتھیاں سلجھا گیا ہوں

الا یا ایّھا السّاقی نظر کن
پلا قلزم کہ صحرا آگیا ہوں

سکونِ دل کی واصف کو طلب کیا
تڑپ کر دہر کو تڑپا گیا ہوں



ذوقِ منزل، تڑپ، لگن ہے کہاں
سہل ہے راستہ کٹھن ہے کہاں

شاہراہوں پہ گھورنے والو
شاہبازی کا یہ چلن ہے کہاں

پھول تولے گئے ترازو میں
حسن میں بانکپن پھبن ہے کہاں

چشمِ بینا ہے روح کی منزل!
دیدۂ حق شاملِ بدن ہے کہاں

کارواں کوچ ہو رہا ہے اب !
بے خبر تو ابھی مگن ہے کہاں

بس رہی ہے فضا میں بوئے علی[4]
عنبر و نافہ ختن ہے کہاں

راہ بر ہی نہ ہو کہیں واصف!
لوٹنے والا رہزن ہے کہاں



بے نام داستان ہے، ارمانِ زندگی !
گرتا ہوا مکان ہے احسانِ زندگی !

دل پر تری جفا کے سوا اور بھی ہیں داغ
تاروں کا اک جہاں ہے دامانِ زندگی

کیا جانیں کس خیال میں ہم آ گئے کہاں
تکفیر کا گماں ہے ایمانِ زندگی !

رو رو کے آج کاٹ رہے ہیں شبِ فراق
گردانِ الامان ہے سامانِ زندگی

واصف نے مر کے سیکھی ہے تسلیم کی ادا
منصور کی زبان ہے، تاوانِ زندگی !

آرزُو اتنی ہے جانِ آرزو !
جستجُو و جستجُو و جستجُو
ضبطِ غم سے تھی ہماری آبرو
اشک رُک جائے ٹپکتا ہے لہو
ہم کو ذوقِ دید لے آیا کہاں
آئینہ ہم، ہم نظر ہم رُوبرو
خاموشی ہے گوش بر آواز کیوں
بام و در میں ہو رہی ہے گفتگو
منبرِ تلقین پر رندِ خراب
چڑھ گیا ہے ہاتھ میں لے کر سبُو
بند ہو جائے تو کھل جاتی ہے آنکھ
دُور سے آتی ہے پیراہن کی بُو

ٹُوٹ جاتی ہے کلی کِھلتی نہیں
دامنِ گُل ہو نہیں سکتا رفو
آنکھ ساجد آنکھ ہی مسجود ہے
خونِ دل سے آنکھ کرتی ہے وضو
کم نگاہی ہے حرم سے بدگماں
چشمِ بینا ہو تو کعبہ چار سُو

بن کے افسانہ ترا جانِ بہار
پھر رہا ہے آج واصفؔ کُو بہ کُو



ہوش و خرد کی راہ میں
مست بنا گئے بھی وہ

دے کے سراغِ زندگی
کر کے فنا گئے بھی وہ

لوری سنا کے پیار کی
مجھ کو سلا گئے بھی وہ

بن کے وفا کی داستاں
دے کے دغا گئے بھی وہ

شام فراق میں مگر
دیپ جلا گئے بھی وہ

واصفؔ کو راز کی خبر
دے کے چھپا گئے بھی وہ

کیا سناؤں میں دل کا افسانہ !
گاہے آباد و گاہے ویرانہ !

جل رہا ہے مثالِ شمع یہ !
یوں تڑپتا ہے جیسے پروانہ

ٹوٹ کر رہ گئی ہے اِک تسبیح
اور بکھرا پڑا ہے ہر دانہ

آپ کا نام لیتے ڈرتا ہوں
اور ہر نام سے ہوں بیگانہ

گلِ صد چاک و قطرۂ شبنم
پیش ہے یہ حقیر نذرانہ

چشمِ ساقی کی مستیوں کی قسم
ایک دل صد ہزار پیمانہ

آپ کہتے ہی کوئی بات نہیں
یونہی واصفؔ ہوا ہے دیوانہ



مرے ندیم مرے ہم سفر مرے محسن !
ترے فراق نے بخشا ہے ذوقِ دار و رسن
تمھاری یاد میں پھولوں کے ہار مرجھائے
اُڑا لیا ہے خزاؤں نے آج رنگِ چمن
تمھارے بخشے ہوئے آنسوؤں کا کیا کہنا
سیاہ رات ستاروں سے ہوگئی روشن
ترا جہان فقط رنگ و بو کا ہے مظہر
مرے جہاں میں کچھ بھی نہیں سوائے لگن
میں بے نیازِ جہاں ہوں کہ بے نیازِ وجود
مری زمیں ہے مرے آسماں زمان و زمن
تمھاری دنیا میں ہر دم موت کا خطرہ !
فنا سے دور بقائے دوام میرا وطن

چراغ جلتے ہیں یا دل کے داغ ہی واصفؔ
حسین یادوں نے دل کو کیا حسین مدفن

ملے ہیں اِن سے ہم نامحرمانہ
کہ محرم ہوگیا سارا زمانہ

تیری رحمت نہ دیتی گر سہارا
کہاں کٹتا طریقِ کافرانہ

نقابِ رُخ بنی اُٹھی نہ اب تک
نظر ڈالی تھی ہم نے طائرانہ

تِری معصوم نظروں کو خبر کیا
تڑپ کر خود ہوا ہے دِل نشانہ

بڑی مدّت میں پایا رازِ واصِفؔ
جبینِ شوق ہی ہے آستانہ !

میں کہاں اور کوئے یار کہاں !
وہ بُلا لیں یہ اختیار کہاں !

آہی نکلے جو میکدے میں ہم
رہ گیا پاسِ ننگ و عار کہاں

وہ ہوئے مائل بہ کرم خود ہی !
ہم نے اِن سے کیا ہے پیار کہاں

چشمِ نرگس بنا ہوا ہے دل !
ڈھونڈنے جائیں تجھ کو یار کہاں

آبھی جاؤ کہ زیست ختم ہوئی
رہ گئی تابِ انتظار کہاں

میں ہوں منصورِ وقت ڈر کس کا
ڈھونڈتا ہوں چھپا ہے دار کہاں

تھم گئی گردشِ زمان و مکاں
میکدے میں ابھی بہار کہاں

جب سے یہ کاروبارِ ذوق چلا
رہ گیا ذوقِ کاروبار کہاں

کھا رہے ہیں نظامِ نو کی قسم
بولنے لگ گئے مزار کہاں

آج واصفؔ نے پھر غزل کہہ دی
اب نہ کہیئے کہ بار بار کہاں!



آج اِن کا پیام آیا ہے
خیر سے میرے نام آیا ہے

دلِ ناکام کام کا نکلا!
بعد مرنے کے کام آیا ہے

بولا صیاد جب مجھے دیکھا
تو کہاں زیرِ دام آیا ہے

ہم سفر جیسے ہو گئی منزل
ایک یہ بھی مقام آیا ہے

موت کا ہے یہ آپ کا ہوگا
بے خودی میں سلام آیا ہے

آ ہی جائے گا عید کا دن
یونہی ماہِ صیام آیا ہے

مر گئے انتظار میں واصفؔ
تب کہیں لب پہ جام آیا ہے

چاند کے انتظار میں تارے
ڈوبتے جا رہے ہیں بیچارے

پوچھتے کیا ہو وجۂ بربادی
آشیاں میں پڑے تھے انگارے

ہم کہاں ظلم آشنا ہوتے
ہم نگاہِ کرم کے تھے مارے

ہو گئی دید موت سے پہلے
آج ارماں نکل گئے سارے

خود تو ڈوبے صنم بھی لے ڈوبے
شہر میں آ بسے تھے بنجارے

ہے وہی کشتۂ زندۂ جاوید
خوئے تسلیم جن کو تو مارے

آج اشکوں نے آبرو رکھ لی
یوں تو عُشّاق تھے بہت سارے

دل کے ٹکڑوں میں دل سلامت ہے،
جیسے قرآں کے ہو گئے پارے

آج واصفؔ علی غزل خواں ھیں
کل تلک تھے خموش بیچارے

پیار سے دل بڑا ہی ڈرتا ہے
ڈرتے ڈرتے بھی پیار کرتا ہے
آدمی آدمی کا قاتل ہے!
آدمی آدمی پہ مرتا ہے
زندگی ہے مگر تمہارے بعد
موت کا سا سماں گزرتا ہے
غمِ ہستی رہا شریکِ حیات!
غم سے ہی آدمی نکھرتا ہے
زخمِ الفت حریص کا دل ہے
کیا بھرے گا کہ روز بھرتا ہے
کیا قیامت ہے بحرِ غم میں دل
ڈوبتا ہے کبھی اُبھرتا ہے

تیری راہوں میں کھو گیا واصفؔ
ذکر تیرا جہاں سے کرتا ہے!

ہم نے مانگا تھا کیا نظر کے سوا
ہم نے پایا ہے کیا خبر کے سوا
کارواں سے متاعِ ذوقِ سفر
کس نے لوٹی ہے راہبر کے سوا
ان کے جلوے ملیں گے شرق و غرب
ان سے ملیے ہمارے گھر کے سوا
دادِ زخمِ جگر ملی ہے مجھے
ایک دُنیا سے چارہ گر کے سوا
کچھ نہیں ہے فقط فریبِ نظر
کہکشاں تیری رہگذر کے سوا
شبِ فرقت کٹی ہے مر مر کے
موت کیا چیز ہے سحر کے سوا

اِس جہانِ خراب میں واصفؔ!
شور کے بعد کیا ہے شر کے سوا!

رہبر نہ ملے، رستے بلبے، رہزن تھے بڑے، بچتے بچتے میخانے کے در ہم آ نکلے
ہم دن کو چلے، راتوں کو چلے، چلتے ہی رہے، روتے روتے میخانے کے در ہم آ نکلے

ساتھی بھی ملے جو چھوڑ گئے، دل بر جو ملے دل توڑ گئے، ہم ٹوٹا دل لے کر ہنستے رہے
چلتے ہی رہے جانے کیسے، بے جان ہوئے مرتے جیتے میخانے کے در ہم آ نکلے

مجنوں سے ملے، صحرا دیکھے، کانٹے بھی چبھے، چھالے بھی پڑے، وحشت تھی مگر ساقی کی نظر
برباد رہے، ناشاد رہے، جو کچھ بھی ہوتے ہم ان کے تھے، میخانے کے در ہم آ نکلے

سبحان اللہ ما احسنک، ما اکملک، ما اجملک، ہم نے بھی سنا ہم نے بھی کہا
ساقی کی ثنا میں ہر ذرہ پیمانہ تھا، ہم پی پی کے چلے میخانے کے در ہم آ نکلے

ساقی کی نظر سے اپنی نظر مل جاتی مگر، ہم جھکتے ہوتے پاؤں پر گرے، یوں محو ہوتے
مستی جو ملی، ہم مست ہوئے کچھ بھول گئے کہتے کہتے، میخانے کے در ہم آ نکلے

سب چاک کھلے سلتے سلتے، ہم خود سے ملے ان سے ملتے، ہم راکھ ہوئے جلتے جلتے
یہ کھیل انوکھا ہم کھیلے، مو تو اقبل ہم کیا کہتے، میخانے کے در ہم آ نکلے

تھا رقص انا الحق دار و فا، پیمانہ بھرا واصف نے پیا، ہر سمت عیاں وجہ اللہ ہوا
فی انفسکم، ھو معکم، خود آن ملا، کیوں چپ رہتے، میخانے کے در ہم آ نکلے !

ہم طرزِ فغاں اور ہی ایجاد کریں گے
ہم بھول کے تجھ کو نہ کبھی یاد کریں گے

ہم چاک گریبانوں کو آداب سے کیا کام
ہم تجھ سے ترا شکوۂ بے داد کریں گے

دم گھٹتا ہے سینے میں نئے دور سے اپنا
ہم پیرویٔ مسلکِ اجداد کریں گے

انصاف کی جب تجھ سے توقع ہی نہیں ہے
سہہ لیں گے ستم، ہم کہاں فریاد کریں گے

اُڑ جائے گی جب خاکِ نشیمن تو بلا سے
وہ کنجِ قفس سے مجھے آزاد کریں گے

معلوم نہیں جن کو مرا حال ہی واصفؔ
وہ شاد کریں گے بھی تو ناشاد کریں گے

نگاہیں کھل گئیں لب سل گئے ہیں
سرِ راہ وہ اچانک مل گئے ہیں

جمالِ رنگ و بو سے بچ بچا کر
کلی مسکائی ہے گُل کھل گئے ہیں

مرے دِل پہ نظر تھی اِک جہاں کی
ترے غم میں بڑے غم مل گئے ہیں

دل و جاں لے چلو تم پاس ان کے
ہزاروں لوگ لے کر دل گئے ہیں!

جنہیں خود ڈھونڈتی پھرتی ہے منزل
وہی واصفؔ سوئے منزل گئے ہیں

زندگی آپ کی امانت ہے
لے لیں واپس، بڑی عنایت ہے

دن تو دُنیا میں کٹ گیا لیکن
رات کیسے کٹے، قیامت ہے

حبس جب اِس قدر مسلّط ہو
سانس لینا بڑی غنیمت ہے

میں نے ماحول میں وفا بانٹی
مجھ سے ماحول کو شکایت ہے

کوئی دیکھے مری نظر سے اگر
آئینے میں تمھاری صورت ہے

بھولنا اس کو میرے بس میں نہیں
یاد رکھنا جسے مُصیبت ہے

اپنا اپنا نصیب ہے واصِف
غم ہمارے، تری مسرّت ہے

رازِ اُلفت عیاں نہ ہو جائے
خامشی اب زباں نہ ہو جائے

مسکراہٹ کے گُل پہ شبنمِ اشک
یوں ترا غم بیاں نہ ہو جائے

ان کے آنے میں شک نہیں لیکن
اپنی ہستی گماں نہ ہو جائے

ہر قدم پر بچھا دیئے تارے
تیری راہ کہکشاں نہ ہو جائے

دل میں حسرت بھی اب نہیں ملتی
یہ مکاں لامکاں نہ ہو جائے

اس کی آنکھوں کا ایک اِک قطرہ
قلزمِ بے کراں نہ ہو جائے

میری لوحِ جبیں ہی واصِف !
حسن کا آستاں نہ ہو جائے

موسمِ گُل کیا گیا، سب آتشیں جذبے گئے
ہاتھ سے جگنو اُڑے، افلاک سے تارے گئے

بیڑیاں پائے یقیں میں کس طرح ڈالی گئیں
شہبازِ فکر کے پَر کس طرح کاٹے گئے

پتھروں کے شہر میں جشنِ چراغاں ہو گیا
شدّتِ جذبات میں سپنے کئی توڑے گئے

جن کے دم سے زندگی بھی رقص کرتی تھی کبھی
دشتِ تنہائی میں وہ اِنسان بھی دیکھے گئے

علم ان کا بن گیا ان کی جہالت کی دلیل
جب بھی ہاتھی دیکھنے کے واسطے اندھے گئے

بے حسی کی تیرگی میں اِک تماشائی نہ تھا
ایسے عالم میں بھی زیور مانگ کر پہنے گئے

اپنی ہی آواز سے ڈرنے لگے سب آدمی!
بڑھتے سائے دیکھ کر سب آدمی گھٹتے گئے

کارنامے ہی فقط رہ جائیں گے تاریخ میں
ورنہ اِس دُنیا میں واصفؔ آدمی آئے گئے

دُشمن ہے میری جان کا ہر آدمی جہاں
اِس شہر کو میں آج بھی کہتا ہوں جانِ جاں

صحرا سے اُٹھ رہے ہیں بگولے نئے نئے !
منزل کا ہے نشاں، نہ رہبر نہ کارواں

کیا رُوسیاہ رقیب کو بختِ رسا مِلا
اِس کا بھی نامِ نامی رہا زیبِ داستاں

ساحل سے دیکھتا ہے مجھے میرا ناخُدا
کشتی شکستہ حال ہے طوفاں کے درمیاں

گُل کر دیئے قضا نے تمنّاؤں کے چراغ
لَو دے رہا ہے دور تک پھیلا ہُوا دھواں

ہے یہ ستم بھی آپ کا بالائے ہر ستم !
"مارا یہ غمزہ کشتیِ بدنامِ آسماں"

اب خاک چھانیئے بھی تو واصفؔ نہ مل سکے
مدّت سے ہو چکا ہے وہ سوئے عدم رواں

راستہ منزلِ مقصود کا دشوار بھی ہے
سر پہ لٹکی ہوئی اندیشوں کی دیوار بھی ہے

تو شناسائے حقیقت ہے، یہ تسلیم مجھے
ہاں مگر پاس ترے جُرأتِ اظہار بھی ہے؟

جو بھی آتا ہے نظر بھائی نظر آتا ہے
کوئی اس شہر میں یوسفؑ کا خریدار بھی ہے

چار تنکوں کے لئے برق کو زحمت کیوں ہو؟
آشیاں جس پہ ہے وہ شاخ ثمر دار بھی ہے

بہہ رہا ہے مرے رستے میں لہُو کا دریا !
سامنے آنکھوں کے اِک شعلے کی دیوار بھی ہے

ایک گرداب سے مر مر کے سفینہ نکلا
سر پہ طوفان بھی ہے، سامنے منجدھار بھی ہے

کِس سے پوچھوں گا میں اسبابِ تباہی واصفؔ
"خانقاہوں میں کوئی صاحبِ اسرار بھی ہے"

خم ہوا سر اگر قلم نہ ہوا
کب جنوں کشتۂ ستم نہ ہوا

کون ہے جس کو تیرا غم نہ ہوا
ہم پہ تنہا ترا کرم نہ ہوا

اک غزل تھی جو گنگنا نہ سکے
اک فسانہ تھا جو رقم نہ ہوا

وصل کا تذکرہ فراق کا غم
آپ کا ذکر تھا کہ کم نہ ہوا

جو جہاں کی نظر سے چھپ کے ملے
اک قیامت ہوئی صنم نہ ہوا

اک قدم دار، اک قدم پہ رسن
دو قدم عزم ہمقدم نہ ہوا

دم نکلتا نہ کس طرح واصف
دم ہوا گیسوؤں کا خم نہ ہوا

بزم رنداں میں نیا راز کھلا آج کی رات
حسن خود شوخیٔ رندانہ ہوا آج کی رات

رقص بسمل نے کسی دل میں اٹھائے طوفاں
شمع افسردہ کہ پروانہ جلا آج کی رات

جھوٹا دلِ میخانہ کہ ساقی رقصاں
خوب پیمانے پہ پیمانہ چلا آج کی رات

سینۂ طور سے خوابیدہ فسانے پھوٹے
قوم موسیٰؑ کو نہ عنوان ملا آج کی رات

آج واصف نے سر بزم تماشہ دیکھا
دلِ صد چاک کا ہر چاک سلا آج کی رات

غم ہائے زمانہ سے کنارا نہ ہُوا
کل تک جو ہمارا تھا ہمارا نہ ہُوا

ہستی میں اگر رنگ ہے تو اپنے لہُو کا
وہ دل بھی کوئی دل ہے جو پارا نہ ہُوا

دُنیا کو مسیحا نے مسیحائی دکھائی!
اِک اپنے ہی بیمار کا چارہ نہ ہُوا

دورا ہے پر آکر میں یہی سوچ رہا ہُوں
کیا ہوگا اگر مر کے گزارا نہ ہُوا!

دُنیا کے لئے عام صلائے طلبی ہے
اِک جُرم ہمارا ہی گوارا نہ ہُوا

ہر آنکھ سے ٹپکا ہُوا آنسو نہیں آنسو
مٹی میں جو مل جائے ستارہ نہ ہُوا

کب ذکر جفاؤں کا تری ہم نے کیا ہے
واصِف تجھے رُسوا کرے یارا نہ ہُوا!

بلبل نے کیوں گایا گانا
پھُول گریباں چاک پُرانا

میرا غیر نہیں ہے کوئی
میں سب کا جانا پہچانا

میرا حصّہ اڑھائی فیصد
تم نے انکم ٹیکس بچانا

میں قادر جبّار قہار
کب تک ہے رحمان کہلانا

رِشوت سود شراب حرام
میرا اِن سے بَیر پُرانا

میں ہوں سب سے ارفع اعلیٰ
تو نے مٹی میں مِل جانا

تیرا مر جانا ہے لازم
میں نے اِک باقی رہ جانا

کون ہوں میں معلوم ہُوا
واصفؔ میرا ہے دیوانہ



کیسے کون کرے متوالا !
بات انوکھی راز نرالا !

دِل ہی دل کی بات نہ جانے
تڑپے پھڑکے بھولا بھالا

عقل ہوئی حیرت میں گم
عِشق نے کاروبار سنبھالا

ہستی زُلف ہے موت کا شانہ
رہبر اپنا گیسوؤں والا

عِلم کی کھیتی خشک ہوئی تھی
جھُوم کے اُٹھا بادل کالا

واصفؔ کو معلوم نہیں ہے
کِس چِتون کا ہے متوالا

گھر میں قیامت آئی ہے، ہر سمت ہُوا محشر برپا
ٹوٹی ہوئی کشتی نے شاید نزدیک کنارا دیکھ لیا

یہ تیرے کرم کا صدقہ ہے یہ تیری نظر کا جادُو ہے
یوں تیری تمنّا میں ہم نے یہ عالم سارا دیکھ لیا

میری ہی طرح مجبُور ہے وہ، پابند ہے وہ میرے جیسا
پلکوں پہ تری ہم نے اپنی قسمت کا ستارا دیکھ لیا

جو وقت پہ کام آ سکتے ہیں وہ بازو اپنے ہوتے ہیں
اللہ کا سہارا کافی ہے غیروں کا سہارا دیکھ لیا

کہنے کی نہیں یہ بات مگر کہتے ہیں یہی سب اہلِ نظر
پامرد ہے وہ راہی جس نے منزل کو دوبارا دیکھ لیا

غمِ جاناں کے ماسوا کیا ہے!
دلِ صد چاک میں بھلا کیا ہے

مرگِ ہستی ہے حاصلِ ہستی
اور اِس مرض کی دوا کیا ہے

برق جلوہ فگن نشیمن میں!
تو مگر خوش ہے ماجرا کیا ہے

دارِ ہستی کو سرفراز کرو
رقصِ بسمل میں اب رکھا کیا ہے

پھر وہی آرزوئے رُسوائی
"دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے"

ایک واصف نہ ہو تو غم کیسا
حسنِ صد رنگ یہ ادا کیا ہے

آج دِل ذکرِ یار کرتا ہے !
پھر مجھے بے قرار کرتا ہے

مجھ کو آنسو ملے مقدر سے
تو کہاں اشکبار کرتا ہے

مِل چکے خاک میں مگر تیرا
دِل ابھی انتظار کرتا ہے

بھول کر بھی تجھے نہیں بھولے
بدگماں شرمسار کرتا ہے

شمع جلتی ہے اور پروانہ
جلنے والوں سے پیار کرتا ہے

ایک بار اور کیجئے وعدہ
کون اب اعتبار کرتا ہے

شامِ غم آگئی مگر واصفؔ !
"سایۂ زلفِ یار" کرتا ہے !



آئی ملن کی بیلا!
سانجھ بھئی جھومے بیلا
آج میرے گھر ہے میلہ
نین ملائے دِل مَیلا

رُت بدلی موسم بدلا
اب ادلے کا ہے بدلا

مستی میں بادل کالا
بھاگ کٹورا دل کالا

اپنے سے اوپر کالا
میں آفت کا پرکالا

تو جانے وہ ہے لالہ
تیری جان کا ہے لالہ

تن اجرو ہے من کالا
لا میں پھیروں منکالا

واصف کس کا متوالا
جانے جو ہمت والا



رام رام رام

بگلا کھڑا ندی کنارے کہے رام رام رام!
اِک مچھلی جو بھیجو میں مانوں تو ہے رام!
مچھلی بولے رام سے رام رام رام!
اِس موذی کو ماریو تب ہم جانیں رام
رام کہے دونوں سے تم دونوں جھوٹے ہو
رام سے مانگو رام کو پھر کچھ اور کہو

اب کیوں آش نراش بھئی

میں نرمل بہتی ندیا
دھرتی پر آکاش بھئی

اب کیوں آش نراش بھئی

تو مدوا کا ہے ساگر
میں ندیا کی پیاس بھئی

اب کیوں آش نراش بھئی

میں کل تک برہا کی رین
اب میں پورنماشی بھئی

اب کیوں آش نراش بھئی

میں سوئی جگ بیت گئے
اب میں جگ پرکاش بھئی

اب کیوں آش نراش بھئی

واصف سورج مکھ لے کر
بورے رین اماش بھئی

اب کیوں آش نراش بھئی



نین کٹورے مدبھرے چھلکت ہیں دن رین
نین پیاسے نین کے نیر نین کے بین !

گجر بجا بھونچال کا ہلے بھوم پاتال !
مورکھ یگ پسار کے سویا ہے سُکھ چین

دیپ جلا کے من کو دیوالی کر جائے
تن من آگ لگائے کے ملے تان کا سین

شام ملے گا شام کو دن دکھڑوں کا دیس
درس پیاسی داسی آئی، آئی ملن کی رین

کاگا آن اٹریا، بیٹھا چُپ اُداس
کاہ کروں کت جاؤں میں کون سُنے گا بین

واصفؔ سُدھ بُدھ کھو گئی جانے جو چیت چور
کس برتے گر پایا، اب کاہے بے چین !

ندیا رو رو گیت سُنائے
گاگا کے ساگر مل جائے

جب تک بہتی ہے ندی
ہیں پربت ساگر ہمسائے

ندی کنارے رونا کیا
پربت نے ہیں نیر بہائے

ندیا پریم کہانی ہے
مورکھ تجھ کو سمجھ نہ آئے

جن راہوں سے گذرے ندیا
سندر آشا پھول کھلائے

سب کی پیاس بجھا کر واصفؔ
ندیا آپ پیاسی جائے

تو میرا ایمان نہ کر
چھوڑ مجھے حیران نہ کر

جگ بھاگا بھاگڑ آئی
اب تو رام رحمان نہ کر

دھرتی کے اندر دھڑکا
اب تو بان کمان نہ کر

دیکھ لیا تیرا جوبن!
موت کی مورت مان نہ کر

ماٹی کھا ماٹی میں جا!
ہائے میرا سامان نہ کر

تو نے کھایا ہے مزدور
تو ظالم ہے دان نہ کر

میں ہوں تیرے دل کا چور
بچ کر دیکھ گمان نہ کر

رشوت کھا توبہ کر جا
ڈر جھوٹا پیمان نہ کر

واصف اگنی سے کھیلے
کون کہے شمشان نہ کر!



ٹوٹ گیا آشا کا تارا
کون کرے اب پرچارا

آپس میں دونوں پریمی ہیں
اللہ تیرا رام ہمارا

تارا آن گرا دھرتی پر
گر کے ٹوٹا بیچارہ

نین کسی آکاش کا درپن
آنسو آشاؤں کا تارا

میری رات بڑی روشن ہے
ہر تارے میں ہے سو تارا

ساجن چرن ہی چین ملیگا
جیت اسی کی جو ہارا

جنگل بیلہ دھوم مچی ہے
گاتا جائے بنجارہ

راگی روگی راگ الاپ
ٹوٹ گیا من کا تارا !

من موہن من کے اندر
مورکھ نے کب من مارا

میری پیاس کی بات نہ کر
پی جاؤں ساگر سارا

گر جانے گر کس کا ہے
واصف گر کا ھرکارا



من کی بات سُناؤں کِس کو
اپنے جیسا پاؤں کِس کو!

اندھے رہبر اندھے پیر
رہبر پیر بناؤں کِس کو

شیش محل اب گرتے جائیں
شیشہ میں دکھلاؤں کِس کو

مَیں مستی کا میخانہ ہوں
کون ہے مَست بناؤں کِس کو

واصفؔ کے گھر دیوالی ہے!
آنگن ناچ نچاؤں کِس کو

تُجھ کو کھٹ سے پیار ہے مُجھ کو چوکھٹ سے
میں ہوں پریم کتھا میرا کیا مرگھٹ سے

ندیا روتی جائے ہنسی کیوں لُوٹی
پنہارن کی بات ہے پُوچھو پن گھٹ سے

مکھ دکھلانے کے دن آئے سامنے آ
کب تک بات کرو گی گوری گھونگٹ سے

جیسی جا کی چاکری ویسی وا کی ریت
ہیر نے ہیر بنایا رانجھے کو جَٹ سے

اگنی جل میں لاگی، ماٹی پون چلی
پریتم پریم بچائے گا اس کھٹ پٹ سے

○

تیرے گھر من موہن آئے دیپ جلا!
چرنوں میں رکھ سیس کو گوری تو جھٹ سے

ان شمشان بنے گا تیرا شیش محل
بجلی ورشا ہو گی اُڑتے راکٹ سے

گُر کی بات کہے گا گُر کا نام نہ پُوچھ!
ہو جائے گا مچلا واصِف جھٹ پٹ سے



روگی روگ سُنائے جا!
مَست بنا مستی میں آ

ساجن شاید رُوٹھ گئے!
کیوں چُپ بیٹھا ہے کاگا

بیتے دن کیا یاد آئے
بنسی گائے کیوں رادھا

تو ہرجائی میرا کون
میں ہوں اپنے مولا کا

میرے من مندر میں کون
چھوٹا مالا کا منکا

راون کو بھی رام کرے
سجدہ تیری چوکھٹ کا

میں مدوا کا ہوں ساگر
آ نینوں سے نین ملا

تارے سہمے چندر سے
چندا پہ سُورج چھایا

واصِف کِس کا امر ہوا
سُورج کیوں ڈر کے لوٹا



سانس کی ڈوری کٹتی جائے
تو بے کار ترانے گائے

ربّ رُوٹھا راضی ہوجائے
رُوٹھے دل کو کون منائے

بھور بھئی کا گجر بجا ہے
بیت گئے راتوں کے سائے

تاریکی دم توڑ رہی ہے
پروانوں نے دیپ جلائے

میرا انگ انگ ناچ رہا ہے
میرے گھر من موہن آئے

سکھیوں نے پھر ساون گایا
جھوم کے کالے بادل آئے

ہجر کی رات ہوئی دیوالی
ہم نے دیپ پہ دیپ جلائے

سایہ بھی منظور نہیں ہے
تیرا عشق اکیلا جائے

خود کو اپنی آنکھ سے دیکھا
خود روئے خود ہی مسکائے

واصف گہرا راز کسی کا
باتوں باتوں میں کھو جائے

○

تیری راہ میں مَیں مر جاؤں
تب جا کر تیرا کہلاؤں!

مَیں سندر سپنوں کا دیش!
آشاؤں کا گیت سناؤں

تو کھو جائے ڈھونڈ نکالوں
اب تو ڈھونڈ کہ مَیں کھو جاؤں

میرے ہاتھ میں ہاتھ کسی کا
اب میں کس سے ہاتھ ملاؤں

حسرت جن آنکھوں سے ٹپکے
مَیں اِن سے کیا نین ملاؤں

واصف وحدت، ہے جگ کثرت
ہر چہرے میں خود کو پاؤں!

میں ہوں گیتوں کی مالا
اپنے ساز اُٹھا کر لا

پریم پون اب اٹھلاتی
رُت بدلی موسم بدلا

سات سُروں کا ہے سرگم
میں گاؤں جھومے بیلا

اِک رادھا کے رُوپ ہزار
کملا ، بملا اور سرلا

تو سمجھے میں ہوں پاگل!
میں جانوں تو ہے پگلا !

مان بھی جا رُوٹھے ساجن
آ نینوں سے نین مِلا !

ہر جا رُوپ ہری کا ہے !
لیکن وہ ہر شئے سے جُدا

بیت گئے برہا کے دن
آئے شام تو دیپ جلا

واصفؔ جانے بات اگم
چُپ سادھے بیٹھا مچلا



پگ پگ روتی آئی داسی چرنن میں
آگ لگا کے لائی اپنے تن من میں!

جنگل بیلا ڈھونڈ پھری جوگن تیری
سیس نوا کے دیکھا تو ساجن تھائن میں

رت ملن کی آئی بیلا جھوم گیا
پون چلی اٹھلاتی، جوبن ہے بن میں

پنہارن گاگر بھر لائی پن گھٹ سے!
ٹوٹ گئی گاگر، آنسو ہیں نینن میں!

واصف پریم کی اگنی اگنی سے کھیلے
بندھی بات نہ آئے بنیا بندھن میں!



شام بھئی تو اب گھر چل
دیکھ لیا تیرا حاصل

آ منجدھار سے کھیلیں یار
تو کیوں ڈوب گیا ساحل

میں کیا جانوں زیست ہے کیا
میری موت نہیں منزل

میں کس کی آواز بنا
کانپے پتھر کا بھی دل

میں کیا جانوں کون ہُوا
جو ہر ذرّے میں شامل

وحدت کثرت ایک ہوتے
ایک مسافر اِک منزل

ہم واصِف سے دُور بھلے
کون کرے خود کو بے کل!



گیت سُناؤں، میں کیا گاؤں
میں آنسو ہوں، روتا جاؤں

سب کو دیکھوں، خود چُھپ جاؤں
ندی کنارے نیر بہاؤں

کاہ کروں میں اب کت جاؤں
پاس رہوں اور ہات نہ آؤں

تن من آگ لگا کے جاؤں
دیپک راگ سُنا کے جاؤں

موت سے کھیلوں کھیل نہ پاؤں
زیست کا نقش مٹاتا جاؤں

ندیا چھینوں گجر بجاؤں
سُندر سپنے یاد کراؤں!

خود جھوموں، خود گاتا جاؤں
آ تجھ کو بھی مست بناؤں

کون سُنے کس کو سمجھاؤں
میں خود کو ہی جان نہ پاؤں

ذرّے میں صحرا ہو جاؤں
قطرے میں دریا ہو جاؤں

راز نہ کھولوں، خود کھو جاؤں
واصف جاگے، میں سو جاؤں

رات کٹی تارے گن گن !
چین نہ آئے ساجن بن !

حسن ازل کے روپ نئے !
دن سے رات اسی سے دن!

موت بنی ہستی کی راہ !
ہستی ہست کی ہے مدفن

چاک کھلے سلتے سلتے!
ہوش و خرد کے اب کیا دن

پچھم سے نکلا سورج
دیکھ لیا مولائی فن !

مست ہوا ذرّہ ذرّہ
آیا کون میرے آنگن

واصف کی باتیں نہ سُن
کھا جائے گا تجھ کو جن !

مور چُنریا ڈھلکی میں کیا جانوں رے !

مور گگریا چھلکی میں کیا جانوں رے !

شام مُرلیا بس گئی، موری نس نس میں

گونجی کُوک کوئل کی میں کیا جانوں رے !

نین ملے نینوں سے دل میرا دھڑکا

جھنک ہوئی پائل کی میں کیا جانوں رے

میں چاہوں مَن موہن کو وہ کِت کو چاہیں

بات کسی کے دل کی میں کیا جانوں رے

گھائل کی گَت گھائل جانے میں بولی !

کون سُنے گھائل کی میں کیا جانوں رے

میں سکھیوں سنگ گاؤں، برکھا رُت ہے آئی

بجلی کس بادل کی میں کیا جانوں رے

بھولی بسری بات ہوں میں اتنا جانوں !

آج کی ہوں یا کل کی میں کیا جانوں رے

میری پاگل پریت ہے میں اتنا جانوں!

کون سُنے پاگل کی، میں کیا جانوں رے

اس کل جُگ میں واصِف کل کی بات کہے

ہُوک ہے کس بے کل کی میں کیا جانوں رے

میں نردوش ہرے ساجن!
میں کٹ جاؤں تیرے بن

تیری یاد کے دیپ جلا کر
میں نے رات بنائی دن

میرے من کی پیاس بجھا کر
آ ساجن آجا ساجن!

نین کوار نراش کھلے!
مان بھی جا اب دے درشن

میں برہا کی کالی رین
تو سورج تیرا ہے دن!

مجھ نردھن کی آس نہ توڑ
او نر موہی من موہن

میں سوؤں کیسے سوؤں
میں جاؤں نندیا بیرن

میں ہوں دھول کہاں جاؤں
میں اب آن لگی چرنن

تو جگ جوگی راگ الاپ
میں ناچوں میں ہوں جوگن

میں متوالی اب کیا ڈر
تو ہرگن میں ہے نرگن

میرے ہردے اُٹھی ہُوک
کون سُنے گا ساجن بِن

تیرا میرا کھیل الگ
میں رووّں تو تارے گِن

پگ پگ نیر بہا کر واصِف
جِس کی راہ کرے روشن

میں کیا گاؤں تو بتلا
سارے گاما گارے سا!

او منہ پھیر کے جانے والے
دوش ہمرا بتلا کے جا

سُورج بنسی نام ہمرا
توجانے جب ہو رادھا

میرے رُوپ انوکھے ہیں
رام بنوں چاہے سیتا

رانجھا مُجھ کو ہیر کہے
ہیر کہے میں ہُوں رانجھا

پگلے نام نہیں ہے ذات
نام ہزاروں اِک داتا

بنسی پریم بجاتا ہوں
نہ میں شام نہ میں رادھا

میں ہوں پریم میرا کیا نام
نہ میں ہیر نہ میں رانجھا

میرے گھر میں من موہن
ویرانہ آباد ہُوا

واصِف سے جب آنکھ ملی
آنسو پُھوٹے، دل دھڑکا

تارہ ٹوٹا دیکھ کے دل نے کی پُکار
مجھ کو کوئی نہ دیکھتا میں ٹوٹا سو بار
دُنیا پنچ ہے پنچ کی ہم دُنیا سے دُور
پنچ ملے گا پنچ کو، ملے یار سے یار
میں دھرتی کا راز ہوں میں آکاش کا دل
میں ہوں پریم کی راگنی، میں آتم فنکار
میں نردھن کا دھن ہوں میں ہردے کی ہوک
میں بن جل کے ماچھری میری لیجو سار
میں راتوں کا دِیپ ہوں جل جل کاٹوں رین
اَنت سویرا ہوئیگا رین گھڑی دو چار

میں گُرجی کا بالکا بلک بلک گر جاؤں
میں آؤں ہر رُوپ میں، مرے رُوپ ہزار

میں بابل کے آنگنا کب تک کھیلوں کھیل
میں پردیسن جانتی کھیلن کے دن چار

واصف پگلا ہوئے کے پہنچا بیچ بازار
بولا پگلو سنیو اب کے تمری بار

سجنی ساجن آگئے گھونگٹ کے پٹ کھول
ساجن تو من میں بسے من کا منکا رول !

پلک جھپک میں رین کٹے، رین کٹے کیا دیر
ندیا بیرن پریم کی کر ندیا پر چول

ساجن سیوا سکھ ملے، سیوک سدا بہار
رنج ملے سُکھ جانیو خوش ہو کھائیو کول

ساجن چرن میں چین ملے رہیو سیس نوا
وہ بولیں دم سادھیو کھلے نہ ڈھول نہ پول

ساجن کے من تب بسے جب ساجن کی ہو
رہیو نین لگائے کے میٹھی باتی بول !

واصف اپدیشک بھیئو گُر کی بات کہے !
تمری جیسی لاکھ ہیں ساجن ہیں انمول !

لاج کرے لجونتی لو بھی لجپت رام
پپیہ بیری پریم کا پریم بنا کیا رام

ٹھاکر دوارے میں کھڑی آئی بیس نوا
میں مندر کی مورتی میرا نہ کوئی نام

"کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس"
تو مورکھ کو کھائیو جے نہ جاپے رام

"دو نینن مت کھائیو پیا ملن کی آس"
جن نینن میں پی بسے کاگ کہے پرنام

اللہ ہی پرماتما اللہ بنسی راگ
رادھا پریم کی آتما اتم پریتم شام!

واصف جگ بتائے کے ملی رین سہاگ
میں چرنن کی دھول ہوں آئے دوارے شام

چل ری سکھی اس پار، سجن تو ہے یاد کرے
بابل پیت بسار، سجن تو ہے یاد کرے

آنگن کھیلیں سکھیاں ساری، جانا سب نے باری باری
کھیلن کے دن چار، سجن تو ہے یاد کرے

بیت گئی ہے عمریا بالی، مرلی سن من موہن والی
اب کیا سوچ بچار، سجن تو ہے یاد کرے

ہوک اٹھت ہے من میں، تو ہے شام بلائے بن میں
پائیلیا کی جھنکار، سجن تو ہے یاد کرے

موہن نر بھاگن کے میت، بنسی گائے پیت کے گیت
اس بن کون آدھار، سجن تو ہے یاد کرے

واصف اگنی من میں لاگی، سوئی رادھا انت ہے جاگی
رت بسنت بہار، سجن تو ہے یاد کرے!

موری چنریا رنگ دیو پی نے اپنے رنگ

نین سے نین ملائے کے کاہ کرو اب بین
ساجن تو من میں بسے سنگت کیوں دن رین

من مندر کی مورتی من کو ہی توڑ پائے
دیش بدیش بنائے کے اب کاہے کو جائے

سکھیاں ہمری سکھ بسیں میں دکھیارن ایک
میں سسرال کو جانتی وہ نہ جانیں میک

پربت کانپے خوف سے تو بھاگے مُنہ زور
ساجن تیرے میت ہیں تو ساجن کا چور

پیت کی ریت نہ پوچھئے پیت ہے اپنی ریت
میت کہے مرجائیے موت ملن کی ریت

پریم کرے پرماتما، پریم کی پرلو موہ
پرلو سے مورکھ ڈرے جسے کے پریم نہ ہو

واصف گُر کے چرن سے گُر کی بات ملے
تو دھنوتی بالکا گُر سے نین ملے !

واصف جل میں آگ ہے پربت دوڑا آئے
دھرتی گرے آکاش پر مورکھ سمجھ نہ پائے

آشا بھری عمریا پگ پگ ڈولے ناؤ !
بے آشا کھیون ہار ہے چلے بیچ بچاؤ

لوبھی منوا شہد میں مکھی بن کے بیٹھ
جان گئی ہے لوبھ میں منوا شہد کے ہیٹھ

مورکھ اکھیاں پھاڑ کے دیکھے میری اور
راز نہ جانے سادھ کا چور نے دیکھا چور

واصف بگلا ہوتے کے پہنچا بیچ بازار
بولا بگلو سن لیو اب کے تمری بار

موری چنری رنگ دیوی نے اپنے رنگ
اب سکھیاں تم کاہ کہو میں چلی پی کے سنگ

من موہن من موہ کے من کا موہ بھئے
من میں جب سے موہن بسے ہم من موہن ہوئے

تن من لا کے اگنی نینن درشا ہو
لکڑی جل کے کوئلہ بھئی نین نراش نہ ہو

تم بپتا کے دیش ہو ساری بپتا ایہہ
آج آئے کل جاؤ گے بپتا ڈارو کیہہ

پتلی کھیل ہے دنیا ڈوری کس کے ہاتھ
جا جنگل میں باسیئے کوئی نہ جائے ساتھ

میں ناچوں جگ ناچتا میں روؤں جگ روئے
ایک نہ مانے بانیا پیسے گن گن سوئے

ٹوٹا دل پر ماتما پرسی مایا پریت !
واصف باتی گر کی بنیا کس کا میت

ساجن بسیں آکاش پہ کس بد ملنا ہو
ہر بھجن تو روئے کے ہری ملے گا رو!

لے دے کر کے بانیا عمر اکارت کھوئے
خالی دیکھ کے رد کری ہات ملے اور روئے

کاگا چوری کھائے کے بیٹھا چپ اداس
ہم جانیں کیا بات ہے ہم چلے پی کے پاس

گر گُر دوں کا واہ گُر و ہیں گُر جی کا گُر !
ہیں راگوں کا راگ ہوں سات سروں کا سُر

پریت ہے مہا آتما پنہارن کی پریبا
سکھیوں کے سنگ کھیلتی بھر لائی گاگر

پریت نیر ہے ندیا کومل نرمل پریت
دم سادھے جُگ بیت گئے انت ملے ساگر

مَن مندر کی مورتی نہ دکھلائے مُکھ
نینن سے گنگا بہے من کا اِک منہ

بنیا بیری پریم کا پلیہ گنتا جائے
تن اجڑو من کوئلہ ناگ چلے کھپر

ا... !با کوچ کا گھوشہ
... مورکھ کو گھابر

اتم سے ... سے پنچ
گُر جی پریت پریم کا واصف اِک کنکر



اللہ

☆ جتنا تم اللہ پر راضی ہوا اتنا اللہ تم پر راضی ہے۔

☆ اللہ کی عطاؤں پر الحمد للہ اور اپنی خطاؤں پر استغفر اللہ کرتے ہی رہنا چاہیئے۔

☆ اللہ کی رحمت سے انسان اس وقت مایوس ہوتا ہے جب اپنے مستقبل سے مایوس ہو۔

☆ اللہ والے خیال کے گناہ کو اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ عمل کا گناہ تو وقت کے ساتھ ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ خیال کا گناہ غفلت سے شروع ہوتا ہے۔

☆ جو انسان اللہ کے جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی انسانوں کے قریب ہوگا۔

☆ اللہ ہر آخر کا اول اور ہر اول کا آخر ہے۔

☆ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں بھولنے کی صفت دی ورنہ ایک غم ہمیشہ کے لئے غم بن جاتا۔

☆ اپنی مرضی اور اللہ کی مرضی میں فرق کا نام غم ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

واصف علی واصفؒ

توبہ

☆ اگر انسان کی اپنی عقل اس کی اپنی زندگی خوشگوار نہ بنا سکے تو اسے زعم آگہی سے توبہ کرنی چاہیئے۔

☆ اگر اپنا گھر اپنے سکون کا باعث نہ بنے تو توبہ کا وقت ہے۔

☆ اگر مستقبل کا خیال ماضی کی یاد سے پریشان ہو تو توبہ کر لینا مناسب ہے۔

☆ اگر انسان اپنے آپ کو غم، پریشانی، غریبی، غریب الوطنی یا موت سے نہ بچا سکے تو اسے اپنے خودمختار ہونے کے بیان سے توبہ کرنی چاہیئے۔

☆ اگر انسان ایک ہی پتھر سے دو دفعہ ٹھوکر کھائے تو اسے اپنی صحیح روی کی ضد سے توبہ کرنی چاہیئے۔

☆ اگر انسان کو یاد آ جائے کہ کامیاب ہونے کے لئے اس نے کتنے جھوٹ بولے ہیں تو اسے توبہ کر لینی چاہیئے۔

☆ اگر انسان کو اپنے خطا کار یا گناہ گار ہونے کا احساس ہو جائے تو اسے جان لینا چاہیئے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔

☆ توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے کیونکہ جو اپنے گناہ نہ سمجھے وہ بد قسمت ہے۔

☆ ہر اس عمل سے توبہ کرنی چاہیئے جو اللہ کو ناپسند ہو چاہے وہ برائی ہو یا وہ عبادت جس میں ریاکاری شامل ہے۔

واصف علی واصفؒ

تصانیف

واصف علی واصفؒ

-1	کرن کرن سورج	(نثر پارے)
-2	دل دریا سمندر	(مضامین)
-3	قطرہ قطرہ قلزم	(مضامین)
-4	شب چراغ	(اردو شاعری)
-5	The Beaming Soul	
-6	بھرے بھڑولے	(پنجابی شاعری)
-7	حرف حرف حقیقت	(مضامین)
-8	شب راز	(اردو شاعری)
-9	بات سے بات	(نثر پارے)
-10	گمنام ادیب	(خطوط)
-11	گفتگو ۔ ۱	(سوال جواب)
-12	گفتگو ۔ ۲	(سوال جواب)
-13	گفتگو ۔ ۳	(سوال جواب)
-14	گفتگو ۔ ۴	(سوال جواب)
-15	گفتگو ۔ ۵	(سوال جواب)
-16	گفتگو ۔ ۶	(سوال جواب)
-17	گفتگو ۔ ۷	(سوال جواب)
-18	گفتگو ۔ ۸	(سوال جواب)
-19	گفتگو ۔ ۹	(سوال جواب)
-20	گفتگو ۔ ۱۰	(سوال جواب)

کاشف پبلی کیشنز ☆ ۳۰۱۔اے جوہر ٹاؤن۔لاہور

http://www.wasifaliwasif.com